

نفاذ شرعیات میں تدبیر



تأليف

حافظ محمد سعد اللہ

ریسرچ اسٹنٹ

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لاہور

نسبت ریسرچ سٹنٹ لاہور

۲۹۷۳۱

۵۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۲۷۶۶۹

مفت

کسی نظام کو نافذ کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ انقلابی یا ارتقائی۔
 اگر انقلابی طریقوں سے کسی نظام کو نافذ کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس
 کے اثرات کا ظہور فوراً ہوتا ہے اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے نے اس نظام
 کو پوری طرح قبول کر لیا ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا کیونکہ ہر وہ نظام جو معاشرے پر
 ٹھوسا جائے جبکہ اس کا ضمیر اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو صرف انسان کے ظاہر پر چھایا
 رہتا ہے اس کے مخالفانہ جذبات وقتی طور پر دبے رہتے ہیں اور جو نہی ٹھونسے والی طاقت
 کمزور پڑتی ہے وہ مخالفانہ جذبات پہلے کے مقابلے میں کئی گنے زور و شور کے ساتھ نمودار
 ہوتے ہیں اور عجیب قسم کے تضادات کو جنم دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 شدت کے ساتھ اس بات کی خواہش رکھتے تھے کہ لوگ اسلام کو بحیثیت دین کے قبول کر
 لیں مگر آپ نے کسی پر جبر نہیں فرمایا اور قرآن کریم نے تو نہایت صریح الفاظ میں اعلان کیا کہ
 لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (دین کو قبول کرنے کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے) اس حکم میں
 ہزاروں مصالح پوشیدہ ہیں ان میں اہم ترین مصلحت وہی ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔

27869

کسی نظام کے نفاذ کا دوسرا طریقہ ارتقائی ہے۔ یہ ذرا سست رفتار طریقہ ہے اس کے اثرات کا ظہور فوری طور پر نہیں ہوتا۔ اس طریقے میں کسی نظام کی اقدار معاشرے کے باطن میں رِس رِس کر پیوست ہوتی ہیں۔ اس لیے دیر لگتی ہے۔ تاہم وہ اقدار انسانی ضمیر کی تہ میں بیٹھ جاتی ہیں۔ اور پھر انہیں نکالنا ممکن نہیں رہتا۔

نظام اسلام کے نفاذ کا طریق ابتدائے اسلام میں ارتقائی ہی رہا۔ یہ بہت مفید اور مؤثر ثابت ہوا۔ اس لیے قرین مصلحت یہی ہے کہ موجودہ دور میں بھی نفاذ شریعت کا عمل تدریجاً ہو۔ میری اس رائے کا اطلاق محرمات شرعیہ یا اوامر شریعت پر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حرام کو تو حرام قرار دیا جا چکا ہے اسے اب حلال کون کر سکتا ہے اسی طرح شریعت کے احکام تو چودہ سو برس سے حکم اور امر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قول کا اطلاق شریعت کے دوسرے احکام کے موجودہ دور میں نفاذ پر کرنا چاہیے۔

نفاذ شریعت میں تدریج کے موضوع پر عزیز مکرم حافظ سعد اللہ ریسرچ اسٹنٹ نے تحقیق کی ہے اور اکثر اکابر علمائے عصر کی رائے کی روشنی میں ایک مقالہ مرتب کیا ہے۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری اس مقالے کو مطبوع صورت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ فاضل موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی یہ تحریر اس سلسلے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کر سکے۔

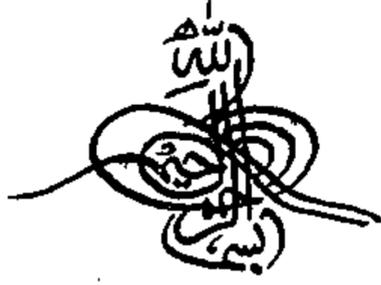
السعی منا والاکتمام من اللہ

سید محمد منین ہاشمی

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء

ڈائریکٹر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

لاہور



تدریج کا مطلب درجہ بدرجہ اور آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی انتہا اور کمال تک پہنچانا ہے جب ہم اس نظام کائنات کو بنظر غائر دیکھتے ہیں تو ہر جگہ تدریج کا فرمانظر آتی ہے۔ خالق و مالک کون و مکان جل شانہ جو قادر مطلق ہے، علیٰ کل شیء قدير ہے

اِذَا ارَادَ اللهُ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (یس: ۸۲)

ترجمہ: ”وہ تو یس جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔“

کی صفت کا حامل ہے، محض اپنے ارادہ و مشیت سے معدوم کو موجود اور نیست کو ہست کرنے والا ہے اور اسے کسی چیز کے پیدا کرنے اور معرضِ نبود میں لانے کے لئے حاجت نہ مادہ کی نہ روح کی نہ ہیولی کی اور نہ کسی اور چیز کی۔ وہ جب اس ارضی و سماوی نظام کو بناتا ہے تو اس میں بھی یہی تدریج نظر آتی ہے۔ فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلٰى الْعَرْشِ (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ: بے شک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا چھ دنوں میں پھر قائم ہو گیا عرش پر۔

مذکورہ آیت کریمہ کے تحت تفسیر جلالین میں ہے۔

جلد بازی نہ کرنے کی تعلیم الہی

ولو شاء خلقهن في لحظة والعدول عنه لتعليم خلقه التثبته
ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آسمانوں اور زمین کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتا تھا مگر یہ طریقہ
چھوڑ کر چھ دن میں پیدا کرنے سے مقصود مخلوق کو آہستگی اور ٹھہراؤ کی تعلیم دینا ہے۔
تفسیر خازن میں ہے =

”والمقصود من ذلك تعليم عبادة التثبته والتأني في الامور وقال
سعید بن جبیر کان اللہ عزوجل قادراً علی خلق السموات والارض
فی لمحظة ولحظة فخلقهن فی ستة ايام تعليماً لخلق التثبته و
التأني فی الامور كما فی الحديث ”التأني من اللہ والعجلة
من الشيطان“ لہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کرنے سے مقصود اپنے بندوں
کو تمام امور میں جلدی نہ کرنے اور خوب غور و فکر کرنے کی تعلیم دینا ہے۔ حضرت
سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو ایک لمحہ بلکہ لمحظہ میں پیدا
کرنے پر قادر تھا (اس کے باوجود) ان کو چھ دنوں میں پیدا کرنے سے مطلوب
اپنی مخلوق کو تمام معاملات میں جلدی نہ کرنے اور خوب غور و خوض کرنے کی تعلیم

لہ جلال الدین سیوطی و جلال الدین محلی، تفسیر جلالین، ۱۰۴، طبع دہلی ۱۹۲۲ء۔

لہ علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم الشیربالی الخازن، تفسیر الخازن، ۲: ۲۳۷، طبع مصر ۱۹۵۵ء۔

دینا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آہستگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور
جلدی شیطان کی جانب سے ہے۔

تفسیر فتح القدر میں ہے۔

وهو سبحانه وتعالى قادر على خلقها في لحظة واحدة
يقول لها كوني فتكون، ولكنه اراد ان يعلم عباده
الرفق والتأني في الامور له

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کو ایک ہی لفظ میں پیدا کرنے پر قادر
ہے۔ انہیں حکم دیتا کہ ہو جاؤ تو یہ وجود میں آجاتے۔ لیکن اس نے ارادہ فرمایا کہ
وہ اس طریقہ سے اپنے بندوں کو جملہ امور میں نرمی اور مہلت سے کام لینے کی
تعلیم دے۔

صاحب روح البیان نے اس سلسلہ میں خوب لکھا ہے۔

لو شاء لخلقها في اسرع من لحظة ولكن علم عباده
التأني في الامور۔

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آسمانوں اور زمین کو ایک لفظ سے بھی جلدی میں پیدا فرما
دیتا مگر اس نے اپنے بندوں کو تمام امور میں جلدی نہ کرنے کی تعلیم دینے کی
غرض سے ان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

اس کے بعد موصوف نے بطور استشہاد مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

مکر شیطانست تعجیل وشتاب خوی رحمانست صبر واحتساب

۱۔ العلامة شوکانی: تفسیر فتح القدر: ۲: ۲۰۱ طبع مصر

۵ باتانی کشت موجود از خدا تابشش روزایں زمین و چرخها
ورنہ قادر بود کنز کن فیکون صد زمین و چرخ آوری برون
این تانی از پی تعلیم تست صبر کن در کار دیر آئی درست

علاوہ ازیں کارخانہ قدرت کے اس منظم نظام میں بے شمار ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جو تدریجی مراحل سے گزر کر اپنے کمال و انتہا کو پہنچتی ہیں۔ سرسبز و شاداب باغات، لہلہاتے کھیت، رنگ برنگے پھول، چاند کا بڑھنا گھٹنا، سورج کا طلوع و غروب، موسموں یعنی گرما، سرما، خزاں اور بہار کی آمد و رفت وغیرہ وغیرہ میں یہی تدریجی اصول کار فرما ہے جبکہ وہ ذات جل شانہ آن واحد میں ایک بیج کے دانے بلکہ بغیر مادہ کے ایک تن اور درخت، ایک لمحہ میں پکی فصل، اول رات ہی میں ہلال سے بدر اور ایک لمحہ کے گزروں حصہ میں موسم گرما سے موسم سرما پیدا کرنے پر قادر ہے۔

در اصل ہر شے کو تدریجی
نظام عالم میں تدریج اور اس کی حکمت

کمال تک پہنچانے میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔ قاری طیب صاحب نے ان حکمتوں سے کچھ پردہ اٹھایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

”چونکہ اس نوپید عالم میں محض منظم ٹکراؤ اور محکم حکم ہی مقصود نہیں بلکہ اس نظم و حکم کے ماتحت ہر حادث اور ہر نوپید شے کو اس کی حد کمال تک پہنچانا بھی مقصود بلکہ اصل مقصود ہے جسے تربیت کہتے ہیں تاکہ ہر

شے کی تمام اندرونی استعدادیں اور صلاحیتیں درجہ بدرجہ اور ترتیب برتیبہ
کھل کر سامنے آجائیں اور وہ شے اپنے مراتب خلقی طفولیت و شباب
اور کھولت سے طبعی رفتار کے ساتھ گزرتی ہوئی بالآخر حد کمال پر پہنچ
جائے۔ اس لیے اس کائنات کے نظم میں تدریج اور ترتیب بھی لازم
تھی کہ کون سی شے کب نمایاں ہو، کن کن مراتب سے گزرتی ہوئی کتنی
مدت میں کن کن اسباب کی مدد سے اپنی تکمیل کا دائرہ طے کرے اور
کس وقت تک اپنی خلافت کا پورا کمال دکھا کر خاموش ہو جائے یعنی
اس عالم کو خیر باد کہہ کر اپنی زندگی کا دوسرا دور شروع کرے۔ ظاہر
ہے کہ اگر عالم میں ہر چیز ایک دم میں مکمل پیدا ہوا کرتی تو اس کی درمیانی
ترقی کی استعدادیں اور ان استعدادوں کے ماتحت مقامات زندگی
کو فعلیت میں لانے پھر ان مقامات کو عبور کر کے ان کے خواص و آثار
دکھلاتے اور اس طرح اپنے اندر نوعی جامعیت پیدا کرنے کے تمام
درجات و مراتب پر وہ عدم بھی میں مستور رہ جاتے اور کبھی نہ کھل
سکتا کہ اس شے کے اندر کیا کیا جوہر پنہاں تھے جنہیں اسباب و مقدرات
کے ماتحت اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہونا چاہیے تھا اور کیا کیا معانی
تھے جنہیں زمانہ کی دست برد اور حوادث کے تھپیڑوں سے کچل
کر فنا ہو جانا چاہیے تھا اور ظاہر ہے کہ کسی شے کا کمال بغیر جمع فضائل
اور دفع رذائل کے حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ جمع و تفریق بغیر امتداد
مدت اور بغیر اسباب و مسببات کی تدریجی تربیت کے ناممکن تھی

اس لئے اشیائے کائنات میں نظم اور حکم کے ساتھ تدریج اور اس کی طبعی رفتار کے لئے مسافت کی ضرورت تھی تاکہ ہر شے اپنی نوعی طبیعت کے معنی جو ہر کھولتی ہوئی کمالات زندگی کے مقام معلوم تک پہنچ جائے۔" لہ

رب اور تدریج غالباً ہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور صفاتی ناموں میں سے ایک عظیم نام "مراب" ہے۔ اسی نام کے ساتھ عالم ارواح میں ارواح انسانی سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ (کیا میں تمہارا رب نہیں) کہہ کر قَالُوا بَلٰی (بولے کیوں نہیں تو ہی ہمارا رب ہے) کی صورت میں خدائی ربوبیت کا اقرار کرایا گیا، انسان کے مرنے کے بعد قبر میں اسی نام کے ساتھ سوال کیا جائے گا مَنْ رَبُّكَ؟ "تیرا رب کون ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذاتی کے بعد اسی صفاتی نام کے ساتھ قرآن کا آغاز ہوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ رب کی اصل تربیت ہے اور تربیت کا معنی بقول راعب اصغمانی:

انشاء الشیء محالاً فنحالیاً الی حد التمام لہ
ترجمہ: "شے کو ایک حالت کے بعد دوسری حالت سے گزارتے ہوئے حد تمام تک لے جانا۔"

اور علامہ بیضاوی کے مطابق:

التربیة وہی تبلیغ الشیء الی کمالہ شیئاً فشیئاً لہ

۱۔ قاری محمد طیب، فطری حکومت۔ ۲۳ تا ۲۵ طبع ادارہ عثمانیہ پرانی انارکلی لاہور ۱۹۶۳ء
۲۔ راعب اصغمانی، المفردات فی عزیز القرآن، ۱۸۲ طبع نور محمد کراچی ۱۹۶۱ء
۳۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی، انوار التزیل واسرار التاویل، ۱: ۲۵، ۲۶ طبع مصر

ترجمہ: شے کو آہستہ آہستہ اس کے کمال تک پہنچانا ہے۔

گویا ”رب العالمین“ فرما کر اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ صرف اس مشاہدہ کے جہان میں نہیں بلکہ اٹھارہ ہزار جہانوں میں جہان ہمارے اذہان اور ہماری عقول کی رسائی ناممکن ہے، اسی ”تدریج“ کا اصول کار فرما ہے۔

تخلیق انسان اور تدریج
خلاق عالم نے جب انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اس میں بھی اسی اصول تدریج کو مد نظر رکھا۔ فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلْطَانٍ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَرَكَ ذُو الْعَرْشِ
أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: ”اور بالیقین ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لو تھڑا بنا دیا پھر ہم نے خون کے لو تھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنا دیا پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا دیا کیسی شان والا ہے اللہ تمام صناعات سے بڑھ کر“

آیات مذکورہ میں انسان کی تخلیق کے سات دور ذکر کئے گئے ہیں۔ سب سے

پہلے سلاہ من طین، دوسرے درجہ میں نطفہ، تیسرے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ، پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا سا تو اں دور تکمیل تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنا۔۔۔۔ ایک روایت کے مطابق ہر دور سے دوسرے دور تک منقلب ہونے میں چالیس چالیس دن صرف ہوتے ہیں۔

انسان کی پیدائش کے بعد ایک دو سال تک صرف دودھ پر جینے پھر رفتہ رفتہ حسب استعداد و حالات مختلف غذائیں کھا کر پھلنے پھولنے اور جوانی تک نشوونما پانے میں ہر مقام پر نطفہ سے لے کر شباب تک پہنچنے میں ”تدریج“ ہی نظر آتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ”تدریج“ انسان کی سرشت اور اصل میں داخل ہے۔ اور بمطابق:

كل شئ یرجع الی اصلہ

ترجمہ: ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

انسان کا تدریجی عمل سے گزر کر کمال اور انتہا تک پہنچنا قدرتی و فطری امر ہے۔

انسانیت ذہنی اور عقلی اعتبار سے اسی

نزول قرآن میں تدریج اور اس کی مصلحت

تدریجی طریق کار سے گزر کر شباب کو پہنچی تو نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی لوگوں تک پیغام توحید پہنچانے اور اسلامی نظام کے نافذ کرنے میں تدریج کو ملحوظ رکھا۔ مولانا تقی نے لکھا ہے:

”قرآنی احکام ۲۳ سال کی مدت میں حالات و تقاضا کے لحاظ سے

نازل ہوئے ابتداء میں مجمل احکام عقائد و عبادات سے متعلق تھے۔ اور بعد میں مفصل احکام معاشرتی و تمدنی معاملات و غیرہ سے متعلق تھے۔ قومی اور اجتماعی زندگی کی جیسی تربیت ہوتی گئی اور اس میں تحمل و انجیزی کی جتنی صلاحیت بڑھتی گئی اسی مناسبت سے غذا اور دوا کی تجویز ہوتی رہی۔ ابتداء میں بچہ کو صرف دودھ پر رکھا گیا۔ یہ دودھ ایک طرف غذا کا کام دیتا رہا اور دوسری طرف زیادہ ثقیل غذا ہضم کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا رہا۔ درمیان میں وقتاً فوقتاً برداشت کے مطابق دوسری مقویات کا بھی استعمال کرایا جاتا رہا، تا آنکہ اس قابل بن گیا کہ وہ غذا کو ہضم کر سکے۔ پھر غذا کے دینے میں بھی اس کی طبیعت اور مزاج کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی یعنی نہ ایک ہی وقت میں ثقیل غذائی گئی اور نہ انواع و اقسام کی غذاؤں کو ایک ہی وقت میں دینے کی کوشش کی گئی۔ عرض مجموعی حیثیت سے اوامر و نواہی میں بتدریج مدارج طے کرائے گئے، حتیٰ کہ نماز، روزہ و غیرہ اوامر اور شراب، جوئے و غیرہ نواہی میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اور قوت ہضم کے عملی معائنہ کے بعد جن مختلف مراحل سے گزارا گیا ہے، عہد نبوت کی تاریخ کا طالب علم ان سے بخوبی واقف ہے مذکورہ طریق کار اور تدریجی ارتقاء قانون کی دنیا میں یہ ذہنیت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اور کوئی نظام اوپر سے نہیں مسلط کیا جاسکتا بلکہ اندر سے ابھرتا ہے۔ اور ہر بن موم سے رس رس کر نکلتا ہے اور وہی قانون کامیاب ہوتا ہے جو انسان کی فطرت اور

ترہیت یافتہ رجانات سے موافقت کرتا ہے۔“ لہ

کفار مکہ نے قرآن مجید کے اس طرح رفتہ رفتہ نازل ہونے پر اعتراض اٹھایا۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (القرآن: ۳۲)

ترجمہ: کافر یہ کہتے ہیں کہ اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) پر قرآن ایک بارگی (پورا)

کیوں نہیں نازل کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں تدریجی نزول کی حکمت واضح فرمائی۔ فرمایا:

كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً۔ (القرآن: ۳۲)

ترجمہ: اس طرح اس لیے کہ ہم اس کے ذریعہ سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور ہم نے

اسے ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے۔

اس آیت (كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ) کی تفسیر میں ابن عربی نے لکھا ہے۔

”فانه رسول الى الكل واستعداداتهم متباينة، ونفوسهم في الصفات

متفاوتة فيجب ان يكون فيه جوامع الحكم والكلم، والفضائل والاخلاق

ليهدى كلامهم بما يناسبه من الحكمة او يزيكه بما يليق به من

الخلق ويعلمه ما ينتفع به من العلم على حسب استعداداتهم

وصفاتهم ولا لم يمكنه دعاء الكل، فعلى هذا كون الترتيل

مفرقا منجما الخ“ لہ

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے واسطے خدا تعالیٰ کے رسول ہیں

لہ مولانا محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: ۸۸ تا ۸۷، طبع لاہور۔

لہ محی الدین ابن عربی: تفسیر القرآن الکریم: ۲: ۱۵۸، طبع بیروت ۱۹۷۸ء

اور تمام لوگوں کی صلاحیتیں اور عادات و صفات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں جملہ حکمتیں، فضائل اور اخلاق عالیہ موجود ہوں تاکہ آپ ہر ایک کو اس کی استعداد اور صفات کے مطابق اس کے مناسب حال حکمت کی ہدایت کر سکیں، اس کے لائق حال اخلاق کے ساتھ اس کا تزکیہ کر سکیں اور اس کی صلاحیت کے مطابق اس کو مفید علم سکھا سکیں ورنہ تو تمام لوگوں کو (بیک وقت اور ایک ہی طریقہ سے) اسلام کی طرف دعوت دینا ناممکن ہوتا۔ اسی وجہ سے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا اور بجائے بجائے نازل ہوا۔

تفسیر منظہری میں ہے:

لنقوی بتفریقہ قلبک علی حفظہ وفہمہ ولان نزولہ

بحسب الوقائع یوجب بصیرۃ فی المعنی۔ لہ

ترجمہ: قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ ہم اس طرح قرآن کے حفظ کرنے اور سمجھنے میں آپ کے قلب مبارک کو تقویت پہنچائیں دوسرے حسب واقعات و حالات قرآن مجید کا نازل ہونا معنی میں بصیرت کو واجب کرتا ہے۔

تفسیر ماجدی میں ہے

”یعنی ایک بڑی مصلحت اس تدریجی نزول قرآن میں تو رسول کی

تقویت قلب ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ ثمرات و مقامات میں جو تاخیر و تدریج ہوتی ہے اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ ثبات و رسوخ حاصل ہوتا جائے۔ جو چیز جلدی آتی ہے وہ جلدی نکل بھی جاتی ہے سالک کو دیرینے سے تنگ نہ ہونا چاہیے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ علماء کے ہاں تعلیم کا سبقتاً ہونا اور مشائخ کے ہاں افادہ و افاضہ میں تدریج اسبی آیت سراپا حکمت کی ماتحتی میں ہے۔ نیت کا مستحکم ہونا، قلب کا تحمل پر قادر ہونا، ملکہ علمی کا راسخ ہونا سب اسی کے برکات ہیں“ لہ

الغرض قرآن مجید حالات و ضروریات کے مطابق قوم کی ذہنی صلاحیت اور قبول کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ مولانا تقی نے لکھا ہے۔

”معاشرتی اور سماجی حالات کے لحاظ سے قرآنی تصریحات دو بڑے حصوں میں منقسم ہیں؛

۱۔ قوم ابھی ابتدائی مرحلہ سے گزر رہی تھی نہ اس کی ٹھیک تنظیم ہو پائی تھی اور نہ اس کا اخلاقی شعور ابھی بیدار ہوا تھا۔ ایسی حالت میں صرف چند بنیادی عقائد و اعمال کی ضرورت تھی جو بڑی حد تک اس میں مشترک اور وہ ان سے مانوس ہوتا کہ فکری و عملی انتشار ختم ہو کر قوم میں ہمدردی و مرکزیت کی روح پیدا ہو۔ پھر ایک مقصد و مرکز کے ماتحت متحد ہو کر آگے کے مراحل طے کرے۔ اس کے علاوہ ترغیب و ترہیب سے متعلق چند مسلم واقعات کا تذکرہ بھی ضروری

لہ مولانا عبدالماجد دریا آبازی، تفسیر ماجدی: ۲۵۱۲، طبع تاج کمپنی۔

تھا، جن سے عبرت و نصیحت حاصل ہو اور وہ اندھی تقلید کی بجائے تنقیدی شعور سے کام لینا سیکھے اور توہم پرستی سے نکل کر حقیقت کو پہچانے اس ابتدائی مرحلہ میں قرآن حکیم کا جو حصہ نازل ہوا ہے وہ توحید و رسالت، جزا و سزا اور مکارم اخلاق و عیوہ کے بیان تک محدود ہے۔ اس سلسلہ میں جو چیزیں مفید ہو سکتی تھیں مثلاً گذشتہ قوموں کے سبق آموز واقعات و حالات، مذہبی تعلیم کی روح اور الہی حکمت سے خود ان کے انحراف کے نتائج و عیوہ ان کا بھی اجمالاً تذکرہ ہے بہر حال اس مرحلہ میں جو کچھ بھی بیان ہوا وہ بڑی حد تک قوم کے نزدیک مسلم تھا اس کی اہمیت و افادیت اور اصل حقیقت سے انکار اس کے لئے نہایت مشکل تھا۔ قومی و جماعتی زندگی میں ہی مرحلہ سب سے زیادہ نازک اور اہم ہوتا ہے۔ اسی کی درستگی اور استواری پر قوم کی فلاح و کامیابی کا دار و مدار ہوتا ہے اور اس میں معمولی کوتاہی کا خمیازہ آخر تک بھگتنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ مکی دور کہلاتا ہے اور قرآن حکیم کا تقریباً ۱۹ حصہ اسی دور کی نوک پلک درست کرنے پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں زیادہ تر چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں اور خطاب عام طور پر یا ایہا الناس سے کیا گیا ہے۔

ب۔ قوم ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کی ذہنی فضا بڑی حد تک ہموار اور اخلاقی شعور بیدار ہو چکا تھا۔ حق و باطل میں امتیاز قائم ہو کر حق اپنی علیحدہ تنظیم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس حالت کے لئے تفصیلی احکام کی ضرورت اور زندگی کے مختلف گوشوں سے متعلق بنیادی ہدایات درکار تھیں۔ چنانچہ

قرآن حکیم کے اس حصہ میں عموماً زیادہ ایسے ہی مسائل ہیں اور خطاب بھی "یا ایہا الذین آمنوا" سے کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ مدنی دور کہلاتا ہے اور اس دور کی آیتیں زیادہ تر طویل اور تفصیلی ہدایات پر مشتمل ہیں۔

اس طرح قرآن حکیم ۲۳ سال میں بتدریج نازل ہوا ہے۔ ۱۳ سال مکی دور کے ہیں اور ۱۰ سال مدنی دور کے بلکہ

احکام کے نزول میں تدریج اور اس کی حکمت اگرچہ گذشتہ سطور میں تدریج کی حکمت و

مصلحت پر بقدر ضرورت عرض کیا جا چکا ہے تاہم اس سلسلہ میں بخاری شریف کے اندر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک ایسی روایت موجود ہے جو نہایت ہی وقیع اور دلیل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور میرے خیال میں اس سے بڑھ کر اسلامی نظام کے نفاذ میں تدریج کی مصلحت کی وضاحت نہیں ہو سکتی۔ فرماتی ہیں:

"اتما نزل اول ما نزل سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام نزل الحلال والمحرام ولو نزل اول لا تشربوا الخمر لقالوا لاندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا

لہ مولانا محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۹ء، طبع لاہور۔

لاندع الزنا ابداً۔ لہ

ترجمہ: پہلے مفصل (سورہ حجرات سے آخر قرآن تک) کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ (ترغیب و ترہیب) کا ذکر ہے۔ پھر جب لوگ اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو گئے تو پھر حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر مثلاً شراب نہ پینے کا حکم اول ہی دن نازل ہوتا تو لوگ یہ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑے گے۔ اسی طرح ابتداء ہی میں زنا چھوڑنے کا حکم نازل ہوتا تو لوگ کہہ اٹھتے کہ ہم اس سے ہرگز باز نہ آئیں گے۔

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر عسقلانی نے درج کیا ہے:

”قولہ نزل الحلال والحرام) اشارت الی الحکمة الالہیة فی ترتیب التنزیل وان اول ما نزل من القرآن الدعاء الی التوحید والتبشیر للمؤمن والمطیع بالحدیث وللکافر والعامی بالنار فلما اطمانت النفوس علی ذلک انزلت الاحکام ولہذا اقلت: ولونزل اول شی لا تشریوا الخمر لقالوا لان دعوا وذلک لما طبع علیہ النفوس من النفرة عن ترک المألوف لہ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قول سے اس حکمت الہیہ

لہ ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، ۱۲: ۷۴، طبع دہلی

لہ ابن حجر عسقلانی: فتح الباری شرح البخاری، ۱۰: ۱۵، طبع مصر ۱۹۵۹ء

کی طرف اشارہ کیا ہے جو نزولِ قرآن کی ترتیب کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے پہلے پہلے توحید کی طرف دعوت دی گئی، مومن اور فرما نبردار کو جنت کی بشارت دی گئی اور کافر اور گنہگار کو دوزخ سے ڈرایا گیا جب نفوس میں یہ چیز پختہ ہو گئی تو احکام نازل کئے گئے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اگر شروع ہی سے ”شراب مت پیو“ کا حکم نازل ہوتا تو لوگ کہتے کہ ہم نہ چھوڑیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرغوب چیز کو چھوڑنا طبعاً ناگوار ہوتا ہے۔

تقریباً یہی مفہوم ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ قسطلانی اور عینی نے بھی لکھا ہے۔

تدریج۔ احسان الہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

وہ بڑا علیم وخبیر اور سب سے بڑا حکیم و دانایا ہے۔ وہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسَعَهَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

اسلامی نظام کے نفاذ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت شریفیہ کے مطابق بندوں پر رحم و کرم اور احسان عظیم فرمایا تمام احکام کا ایک لخت مکلف نہیں بنایا بلکہ رفتہ رفتہ ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق شریعتِ مطہرہ کا نزول ہوتا رہا

۱ (ا) علامہ قسطلانی، ارشاد الساری شرح البخاری، ۴: ۲۵۳، طبع بولاق مصر ۱۳۲۳ھ۔

(ب) بدرالدین العینی، عمدۃ القاری شرح بخاری، ۲۲۶۲۰، طبع بیروت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”ان الله لم يدع شيئاً من الكرامة والبر الا اعطا هذه الامة
ومن كرامته واحسانه انه لم يوجب عليهم الشرائع دفعة
واحدة ولكن اوجب عليهم مرة بعد مرة له

ترجمہ: فضیلت و کرامت کی کوئی بات ایسی نہیں رہی جسے اللہ تعالیٰ نے اس امت
کو عطا نہ فرمایا ہو۔ یہ بھی اس کا فضل و احسان ہے کہ شرائع (احکام) کو ایک ہی
دفعتہ میں نہیں اتارا، بلکہ یکے بعد دیگرے رفتہ رفتہ واجب کیا۔

در اصل انبیاء علیہم السلام قوم کے طبیب ہوتے ہیں اور
پیغمبر بحیثیت طبیب | وہ قوم، مرض اور مزاج کی مناسبت سے غذا اور
دوا تجویز کرتے ہیں۔ جس طرح ایک کامل طبیب تشخیص و تجویز کے ہر مرحلہ میں گہمی،
سردی، قوی، مزاج اور عمر وغیرہ کی رعایت ضروری سمجھتا ہے اسی طرح روحانی طبیب
مزاج کو معتدل رکھنے کے لئے مذکورہ بالا تمام باتوں کی رعایت ضروری جانتا ہے اور
ان ہی کی مناسبت سے پرہیز، دوا اور غذا تجویز کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی علیہ الرحمۃ نے تفصیلاً لکھا ہے۔

”اگر تم چاہتے ہو کہ تشریح کا اصول سمجھ لو تو کسی طبیب حاذق و ماہر

تجربہ کار کا سلوک مریضوں کے ساتھ دیکھ لو۔ کس طرح پہلے وہ ان
کو مرض کی نوعیت اور اس کے خطرات سے آگاہ کرتا ہے جس کا

۱۹۲۷ء
۵۲:۳۱ طبع مصر ۱۹۲۷ء

سمجھنا خود ان کے لئے دشوار ہوتا ہے۔ پھر وہ ان کو ان امور محسوسہ پر جو اس مرض کے اسباب حقیقی کا نطفہ ہوتے ہیں، توجہ دلاتا ہے مثلاً چہرہ کی سرخی اور مسوڑھوں سے خون نکلنے وغیرہ کو غلبہ خون کی علامت قرار دیتا ہے اور زردی بشرہ یا مثلاً پیشاب کا رنگ زردی مائل ہونے کو غلبہ صفراء کا اثر بتاتا ہے۔ پھر وہ مریض کا سن و سال دریافت کرنے اور اس کی قوت منفاومت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے مسکن کی آبت ہو اور موسمی حالت کو بھی ملحوظ رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ ادویہ متعلقہ کے خواص پر غور کرنے کے علاوہ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ وہ دوا اپنی عمر کی کس منزل پر ہے اور اس میں کتنی قوت تاثیر موجود ہے۔ ان تمام مراحل کے طے ہو جانے کے بعد وہ مریض کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے جس کے اجزاء، مقدار شربت اور اوقات استعمال امور مسطورہ بالا کو پیش نظر رکھ کر معین کیے جاتے ہیں۔“ لہ

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تک دین ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

سَرَّعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ
وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ - (الشوری: ۱۳)

لہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ (مترجم) ۱۱: ۴۶۲ طبع قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۶۲ء

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے (حضرت) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کیا ہے اور جس کا ہم نے (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) عیسیٰ علیہم السلام کو بھی حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

اس کے باوجود ہر نبی کی شریعت دوسرے نبی سے مختلف رہی۔ لوگوں کے طبعی، معاشرتی، معاشی اور موسمی حالات میں اختلاف کی وجہ سے اعمال و احکام شریعت بھی مختلف رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (الحج: ۶۷)

ترجمہ: ہم نے ہر ایک امت کے لئے ایک شریعت مقرر کی ہے جس پر وہ عمل پیرا ہوتے۔ دوسری جگہ فرمایا:

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا۔ (المائدہ: ۴۸)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک قوم کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ ہر نبی اپنی امت کے مزاج، طبائع، قوی، عادات، حالات و واقعات کی ترقی کرتے ہوئے اس کی تربیت کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

”انما مثله كمثل الطيب يعمد الى حفظ المزاج المعتدل في

جميع الاحوال فتخلف احكامه باختلاف الاشخاص والزمان

فيامر الشاب بما لا يامر به الشائب ويامر في الصيف بالنوم

في الجولما يري ان الجو مظنة الاعتدال حينئذ ويامر في

الشتاء بالنوم داخل البيت لما يري انه مظنة

البرد حینئذ لہ

ترجمہ: نبی کی مثال طبیب جیسی ہے کہ وہ ہر حالت میں معتدل مزاج کی حفاظت ضروری سمجھتا ہے۔ طبیب کے احکام تشخیص و تجویز و عیضہ زمانہ اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ جوان آدمی کے لیے جو تجویز کرتا ہے بوڑھے کے لئے وہ نہیں کرتا، موسم گرما میں کھلی فضا میں سونے کے لئے کہتا ہے اور موسم سرما میں گھروں کے اندر سلاتا ہے۔ موسم کے اس اختلاف کی بنا پر اعتدال مزاج کی رعایت کے لئے اپنے احکام کے اختلاف کو وہ ضروری قرار دیتا ہے اور اسی پر اس کا عمل در آمد رہتا ہے۔

چنانچہ نبی کی اس حیثیت کے تحت جب ہم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقہ تعلیم اور تزکیہ نفوس کو دیکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشخاص کے مزاج و حالات کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی سوال کے مختلف جوابات دیے ہیں۔ مثلاً احادیث میں آتا ہے کہ مختلف مواقع پر مختلف لوگوں نے ائمی الأعمال افضل یعنی کونسا عمل افضل ہے؟ کا سوال کیا۔ آپ نے ہر سائل کی باطنی ضرورت یا بیماری یا مزاج کی مناسبت دیکھتے ہوئے اس کے مطابق جواب مرحمت فرمایا۔ جس شخص کے اندر نماز میں خامی اور کوتاہی ملاحظہ فرمائی اس کو جواب دیا کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے۔ جس شخص میں جہاد سے بے رغبتی دیکھی اسے فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام اعمال سے افضل ہے۔ جس شخص میں والدین کی نافرمانی کے آثار پائے جاتے تھے اسے فرمایا کہ

۲۷۶۶۹

لہ حجۃ اللہ البالغہ: ۸۹، ۱۱: طبع مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۹۷۵ء۔

والدین کی خدمت تمام اعمال سے بہتر ہے۔ جو شخص بے مروتی کا شکار تھا اسے احسان سلوک تمام اعمال سے افضل بتایا۔

بہت سارے ایسے اعمال ہیں جو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھے یا صحابہ کرام کرنا چاہتے تھے مگر آپ نے کمال رحمت سے عوام الناس کا لحاظ فرماتے ہوئے ان کو نہیں کیا ہے یا کم از کم ان کو ضروری نہیں ٹھہرایا ہے۔ مثلاً آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے فرمایا:

لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الحجة وبنيتها
على اساس ابراهيم عليه السلام له

ترجمہ: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمہاری قوم یعنی قریش ابھی ابھی اسلام لائے ہیں (اور اس لیے زمانہ جاہلیت کی ذہنیت ابھی گئی نہیں۔ اگر ان کی ذہنیت کے مخالف کوئی کام کیا جائے تو وہ اسلام ہی سے نفرت کرنے لگیں گے) تو میں کعبہ شریف کی موجودہ عمارت کو ڈھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشہ کے مطابق اس کو از سر نو تعمیر کرتا (اور حطیم کو اس میں شامل کرتا۔)

مسواک کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوة له

ترجمہ: اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی تو میں

لہ (۱) حجة اللہ البالغة، ۱۱۲، ۱۱۱، طبع مکتبہ سلفیہ لاہور (ب) بخاری شریف، ۱: ۲۲، طبع دہلی۔ (باختلاف الفاظ)

لہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، ۲۹، ۳۰، طبع نور محمد کراچی۔

بہ نماز کے وقت مسواک کرنے کا وجوہی حکم دیتا۔

مشکوٰۃ میں متفق علیہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن نماز تراویح پڑھائی اور پھر قصداً باہر تشریف نہ لائے صحابہ کرام نے روزانہ تراویح پڑھانے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”... خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم بہ
فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم لہ

ترجمہ مجھے اس بات سے خوف ہے کہ (اگر میں روزانہ پڑھاؤں گا تو) نماز تراویح فرض کر دی جائے گی اور اگر فرض ہو گئی تو تم اسے ادا نہ کر سکو گے۔ لہذا تم گھروں ہی میں پڑھ لیا کرو۔

مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے مزاج اور قوی کے مطابق اس کی تربیت کی۔ قوم عرب کی ذہنی، مذہبی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی پستی اور زبوں حالی چنداں محتاج بیان نہیں۔ بیک جنبش قلم ان کو ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل بنانا خلاف طبیعت و فطرت انسانی تھا۔ اس لئے حضور نے ایک ماہر طبیب کی طرح آہستہ آہستہ اور تدریجی مراحل سے گزار کر قوم کو اخلاق کی بلند منازل پر پہنچایا۔

ابراہیم آفندی نے لکھا ہے:

”... لما کان (دیننا) آخر الشرائع ورسولہ خاتم المرسلین

لہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، ۱۱: ۴۰۵، طبع دمشق۔

وجب ان تقام احكامه على قواعد راسخة و اساس متينة
لا يعبت بها يد الحوادث ولا يقوضها اعصارا لا عصار
وهذا يستدعي التدرج في الوصول الى المامل فان الدين نشأ
بين قوم لو يدنووا بشريعة ولم يخضعوا للنظام فكان من
الحكمة ان يؤتى اول الامر في بعض الاحكام مما لا يخالف
سجاياهم كل المخالفة ولا يوافقها كل الموافقة وان
كان لا يصلح للبقاء ولا يليق بكل الازمان ليسهل به قيادهم
وتحصل طاعتهم وحينما ثبتت الله دينه وطمئن به
القلوب تبدل تلك الاحكام بما هو حقيق بالثبوت وحبير
بالمقام على ممر الايام كما كان في حد الزنا فان الله حملة
اولا ايداء الزاني وحيسا للزانية ثم صيرة رجبا للمحصن و
جلد او تغريبا لسواه له

ترجمہ: جب ہمارا دین آخری شریعت اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول
تھے تو ضروری تھا کہ اس دین کے احکام پختہ قواعد اور مضبوط بنیاد پر قائم ہوں
تاکہ حوادث زمانہ اور مرور دھراں کی عمارت کو ڈھانہ سکیں۔ اس مقصد کے
لئے مطلوب تک پہنچنے کے لئے تدریج لازمی تھی۔ کیونکہ دین ایسی قوم میں اتر
رہا تھا جن کے ہاں کسی شریعت اور کسی نظام حکومت کا وجود نہ تھا پس حکمت

یہی تھی کہ اولاً ایسے احکام نافذ کر دیے جائیں جو نہ بالکل ان کی طبائع کے مخالف ہوں اور نہ بالکل موافق۔ اگرچہ وہ احکام ہمیشہ کے لئے باقی رہنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ تاکہ ان کی طبائع مائل ہوں اور ان کی فرمانبرداری حاصل ہو۔ حسب اللہ تعالیٰ نے دین کو ثابت کر دیا اور ان کے قلوب دین کے ساتھ مطمئن ہو گئے تو اب اللہ تعالیٰ نے احکام کو تبدیل فرمایا۔ جیسا کہ زنا کی حد میں ہوا۔ اولاً تو زانی کو ایذا اور زانیہ کو قید کیے جانے کی سزا مقرر تھی۔ بعد ازیں اس سزا کو شادی شدہ کے لئے سنگسار اور غیر شادی شدہ کے لیے کوڑے اور جلا وطنی کی سزا میں تبدیل کر دیا گیا۔

تمام احکام شرع کی غرض و غایت انسانوں کی فلاح و
شرعیات کا مقصد بہبود ہے۔ شرعیات کوئی ایسا حکم عائد نہیں کرتی جو تکلیف

مالایطاق کے ضمن میں آئے یا دنیاوی و اخروی فائدہ کی بجائے نقصان ہو۔ شرعیات کا مقصود محض انسانوں کی بہتری ہے۔ تفسیر مراعی میں نسخ کی بحث کے تحت لکھا ہے:

”ان الاحکام ما شرعت الا لمصلحة الناس له

ترجمہ: تمام احکام شرع صرف اور صرف لوگوں کی مصلحت کے واسطے مشروع کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی محمدصانی نے یاعز بن عبدالسلام کے حوالہ سے لکھا ہے:

”تمام احکام شرع کا مقصد بندوں کی دنیاوی بہتری اور آخرت کی بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ نہ اسے فرمانبرداری

کی اطاعت کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ گنہگاروں کا گناہ کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

ڈاکٹر موصوف نے ابن قیم الجوزیہ کے حوالہ سے تھوڑا سا آگے چل کر لکھا ہے: ”شرعیات کی بنیاد حکمتوں اور لوگوں کی دنیاوی و اخروی فلاح و بہبود پر ہے اور شرع کل کی کل انصاف ہے، سراسر رحمت اور حکمت ہے، پس جس مسئلے میں انصاف کی بجائے ظلم ہو، رحمت کی بجائے زحمت ہو، فائدے کی بجائے نقصان ہو اور عقل کی بجائے بے عقلی ہو، وہ شرعیات کا مسئلہ نہیں اگرچہ اسے بذریعہ تاویل شرع میں داخل کر لیا گیا ہو۔ پس شرعیات خدا کے بندوں میں اس کا انصاف ہے اور اس کی مخلوق میں اس کی رحمت ہے۔ اسی سے زندگی ہے، غذا ہے اور دوا ہے، نور ہے، شفا ہے اور حفاظت ہے۔ زندگی کی ہر بھلائی شرعیات سے وابستہ ہے اور زندگی کے ہر نقصان کا سبب ترکِ شرعیات ہے۔ چنانچہ جو شرعیات خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں وہ عالم کا ستون ہے اور دنیا و آخرت کے تمام حلقہ ہائے فلاح و بہبود کا مرکز ہے۔“ لہ

مندرجہ بالا تصریحات اس بات کی متقاضی ہیں کہ احکام اسلام کا نفاذ تدریجاً ہی ہو ورنہ فائدہ کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہے۔ اور جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے۔

شرعیات اور عادت و فطرتِ انسانی | عادت کا معنی ہے ما ینتقر فی النفس

لے ڈاکٹر صبحی محمدصافی: فلسفہ شرعیات اسلام (مترجم) : ۲۴۰ تا ۲۴۲ طبع مجلس ترقی ادب لاہور

یعنی وہ چیز جو نفس میں قرار کیڑ جائے۔ یا "ما یعود الیہ الانسان" وہ چیز جسے انسان بار بار کرے۔ متذکرہ مفہوم کے اعتبار سے انسان جب کسی اچھی یا بری چیز کا عادی بن جاتا ہے یا دوسرے لفظوں میں عرصہ دراز تک کسی عمل کو بار بار کرتا رہتا ہے تو وہ عمل اس کے نفس میں راسخ اور بچھتا ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ عربی میں ایک مثل ہے "فطام العادة اشد من فطام الرضاة" یعنی جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادت مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے۔

مقدمہ ابن خلدون میں ہے:

"رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اگر اچھی یا بری عادتوں میں سے کوئی عادت کسی میں راسخ ہو جائے تو اسی مقدار میں وہ دوسری عادت سے دور ہو جاتا ہے اور اسے وہ عادت اپنانے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ لہذا اگر کسی نیک و صالح شخص میں بھلائی والی عادتیں پھل کر جائیں اور ان کا ملکہ اس کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ برائی سے دور ہو جاتا ہے اور اسے برائی کی راہ اختیار کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح اگر شروع میں کسی کے نفس میں برائی بٹھ جائے اور بری عادتیں پڑ جائیں تو اسے اچھی عادتیں بنانا دو بھرا ہو جاتا ہے۔" لہ

۱۔ عبدالرحمن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (مترجم) ۱: ۳۳۷، ۳۳۸، طبع نفیس اکیڈمی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی مذکورہ فطرت کو سامنے رکھا اور اس کا لحاظ کرتے ہوئے
 جملہ احکام بیک وقت نہیں عائد کر دیے۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تھوڑے تھوڑے کر
 کے احکام نازل فرمائے تاکہ طبائع انسانی ان کو قبول کرتی جائیں۔ جس معاشرہ میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس کا شراب، جوئے، قتل و غارت، حسب و نسب
 میں فخر، بے راہروی اور دیگر متعدد اخلاقی جرائم کا صدیوں سے عادی چلے آنا چنداں
 محتاج بیان نہیں۔ ایسے معاشرہ کو یک لخت بربک لگانا قرین مصلحت و موافق قیاس
 نہیں تھا۔ اس دانائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال حکمت و دانائی اور
 تدبیر و حوصلہ سے اولاً ان کے ذہنوں میں انقلاب برپا کیا اور ان کے دلوں کی کاپی پلٹ دئی
 ۳۔ خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا بگردیا
 جب اذہان و قلوب شرک، نفاق اور دیگر مفاسد سے پاک ہو گئے تو اب مسئلہ
 ہی حل ہو گیا۔

الاولان فی الجسد مصنعة اذا صلحت صلح الجسد كله

واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب له

ترجمہ: سن لو! جسم میں خون کا ایک ایسا لو تھڑا ہے کہ جب اس کی اصلاح ہو جائے
 تو سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ
 جاتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ وہ (خون کا لو تھڑا) دل ہے۔

اب آہستہ آہستہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام کا نفاذ بھی شروع

۱۔ ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ مشکوٰۃ المصابیح، ۲۴۱، مطبوعہ کراچی۔

فرما دیا۔ ایک حکم کو جب طبائع قبول کر لیتیں تو دوسرا حکم اور جو جب حکم راسخ ہو جاتا تب تیسرا
 علیٰ ہذا القیاس پورے ۲۳ برس کے بعد اسلام کی تکمیل ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقعہ
 پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ
 لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا۔ (المائدہ: ۳)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور
 پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

نازور روزہ کئی تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد موجود
نازور روزہ میں تدریج صورت و ہیئت میں متشکل ہوئے ہیں۔ مثلاً

شروع میں نماز کے اندر کلام کرنا، سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، چلنا، ادھر
 ادھر دیکھ لینا وغیرہ مباح تھا۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال كنا نسلم على النبي صلى الله عليه
 وسلم وهو في الصلوة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي
 سلمنا عليه فلم يرد علينا فقلنا يا رسول الله كنا نسلم عليك
 في الصلوة فترد علينا فقال ان في الصلوة
 لشغلاً متفق عليه له

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتے

تھے جبکہ آپ نماز میں ہوتے اور آپ ہمیں نماز کے اندر ہی سلام کا جواب فرماتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس آئے اور نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ عدم جواب کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ نماز میں کلام سے (ذکر، تسبیح، قرآن و غیرہ) مانع ہے۔

مرقاۃ میں ہے؛

کان الکلام فی بدء الا سلام جائزاً فی الصلوۃ ثم حرم له ترجمہ؛ ابتدائے اسلام میں نماز کے اندر کلام کرنا جائز تھا بعد میں حرام قرار دیا گیا۔ علاوہ ازیں پھینک کا جواب دینے اور چلنے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ اسی طرح روزہ کے متعلق مسند احمد میں معاذ بن جبل کی ایک روایت موجود ہے کہ روزہ میں تین تبدیلیاں ہوتیں اور وہ تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ؛

”رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہر مہینہ میں تین روزہ اور ایک روزہ یوم عاشور یعنی دسویں محرم کا رکھتے تھے۔ سترہ مہینے آپ نے اسی حساب سے روزے رکھے“

پھر آیت؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۸۳)

ترجمہ؛ اے ایمان والو! فرض کئے تم پر روزے جیسے فرض کئے گئے تھے تم سے

انگلوں پر تاکہ تم پر ہیزگار ہو جاؤ۔

سے رمضان المبارک کی فرضیت نازل ہو گئی تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے مگر روزہ رکھنا افضل اور بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت

مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ - (البقرة: ۱۸۵)

ترجمہ: جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔

نازل فرمادی۔ اس آیت کریمہ نے تندرست وقوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا۔ مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فدیہ ادا کر دے۔ یہ تو دو تبدیلیاں ہوئیں۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت:

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ -

ترجمہ: تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں کے ساتھ مشغول ہونا حلال کر دیا گیا۔

نازل فرما کر یہ آسانی عطا فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب

جائز ہیں؛ لہ

حرمت شراب میں تدریج | جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے قرآن کے اکثر

قوانین حالات کے اقتضاء کے مطابق تدریجاً اور اس بات کا لحاظ رکھ کر نازل ہوئے کہ عرب لوگ قدیم عادات کو ترک کرنے اور نئے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لئے کہاں تک تیار ہیں۔ چنانچہ ہم تحریم شراب اور جوئے کے مسئلے میں دیکھتے ہیں کہ پہلے بطور نصیحت انہیں ان دونوں عادات قبیحہ سے نفرت دلانی گئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ
لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا۔ (البقرہ: ۲۱۹)

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کا فائدہ بھی۔ لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

پھر نشے کو نماز کے وقت اس آیت سے حرام کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى
حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ۔ (النساء: ۴۳)

ترجمہ: اے مومنو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ تا وقتیکہ تمہیں اتنا ہوش نہ آجائے کہ کیا کہہ رہے ہو۔

اس میں خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔ اس لیے کچھ حضرات اب بھی اوقات نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اور شراب ہمیشہ کے واسطے حرام ہو گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ
وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ

تَفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
 فِي الْخَيْرِ وَالْأَلْبِيسُ وَإِيصْدَ كُمْ عَنِ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ
 أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ: ۹۰-۹۱)

ترجمہ: اے مومنو! بے شک شراب، جوا، بت اور جوٹے کے تیرگناہ اور کارِ شیطان ہے،
 لہذا اس سے بچو تا کہ تم فلاح پاسکو۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ شیطان چاہتا ہے۔
 کہ شراب اور جوٹے کے ذریعے تم میں عداوت و دشمنی پیدا کر دے اور تمہیں اللہ
 کی یاد اور نمانے سے روک دے۔ پس کیا تم باز رہو گے؟

زکوٰۃ جیسے بنیادی اور اہم رکن اسلام کی تدریجی تکمیل
 کے سلسلہ میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں؛

”جس طرح عام نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا اور مدینہ اکرمہ
 رفتہ رفتہ تکمیل کو پہنچی، اسی طرح زکوٰۃ یعنی مطلق مالی خیرات کی ترعیب
 بھی ابتدائے اسلام ہی سے شروع ہوئی، لیکن اس کا پورا نظام آہستہ
 آہستہ فتح مکہ کے بعد قائم ہوا..... بعثت کے پانچویں سال جب حضرت
 جعفر طیار و عزیزہ ہجرت کر کے حبشہ گئے ہیں اور نجاشی نے دربار میں بلا کر
 ان سے اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیمات دریافت کی ہیں اور حضرت
 جعفر نے اس کے جواب میں جو تقریر کی ہے، اس میں ہے ”اور وہ پیغمبر
 ہم کو یہ سکھاتا ہے کہ ہم نماز پڑھیں روزے رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔“ اس سے

معلوم ہوا کہ عام زکوٰۃ یا مالی خیرات کا آغاز اسلام کی ابتداء ہی میں ہو چکا تھا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم صرف نظریوں کا پیش کرنا نہ تھا بلکہ امت کو عملاً اسلام کا تعلیمات پر کار بند بنانا تھا اس لئے حالات کے اقتضاء اور مناسبت کے ساتھ ساتھ تعلیمات کے تفصیلی اجزاء اور ان کے متعلقہ احکام کی تشریح آہستہ آہستہ تکمیل کو پہنچائی گئی۔۔۔۔۔ رمضان ۸ھ میں مکہ کی فتح نے تمام عرب کو ایک سررشتہ میں منسلک کر دیا اب وہ وقت آیا کہ اسلام اپنا خاص نظام قائم کرے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ: ۱۰۳)

ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے مال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو کہ اس کے ذریعہ سے تم ان کو پاک و صاف کر سکو گے۔

چنانچہ اس کے بعد نئے سال یعنی محرم ۹ھ میں زکوٰۃ کے تمام احکام قوانین مرتب ہوئے، اس کی وصولی کے لئے تمام عرب میں محصول اور عاقلوں کا تقرر ہوا اور باقاعدہ ایک بیت المال کی صورت پیدا ہوئی۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہجرت سے

فرضیت جہاد میں تدریج | قبل جہاد ممنوع تھا۔ کفار کے ساتھ صرف بانی مجادلہ حسنہ، ابلاغ اور ان کی ایذاؤں پر صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد اذن جہاد ہوا اور جہاد کے سلسلہ میں مختلف احکام پر مشتمل

آیاتِ کریمہ کا نزول ہوا۔ اس سلسلہ میں کتب تفسیر کے اندر تفصیل موجود ہیں جن کی یہاں گنجائش بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔

المختصر متعدد فرائض و واجبات ہیں جو تدریجی مراحل سے گزرنے کے بعد مستقل طور پر فرض یا واجب ہوئے۔

ہندوستان کے مشہور حضرت مجدد الف ثانی کے طریق انقلاب میں تدریج

عالم دین اور معروف مفکر مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی ایک تالیف ”تاریخ دعوتِ عزیمت“ حصہ چہارم میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے طریق انقلاب کے سلسلہ میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ یہ باب ”مجلس معارف صوفیہ۔ لاہور“ کی طرف سے ایک علیحدہ پمفلٹ کی صورت میں بھی چھپ چکا ہے۔

موصوف جلال الدین اکبر کے دور میں حضرت مجدد صاحب اور دیگر علماء حقہ کی ترویج دین کے سلسلہ میں مساعی جمیلہ کا مختصراً ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

”جہانگیر کی جانشینی عمل میں آئی تو عرصہ تک عہد اکبری کے رسوم و آئین جاری رہے۔ اسلام کی علانیہ مخالفت چھوڑ کر باقی وہی طور طریقے سلطنت میں رائج تھے اور اس وقت تک رائج رہے جب تک کہ جہانگیر کا خود میلان شرع محمدی کی تعظیم اور شعائر اسلام کے احترام کی طرف نہیں ہوا... وہ جب تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اہل نظر نے سمجھ لیا کہ اب سلطنت کا رخ

۱۔ ابوبکر جصاص، احکام القرآن، ۱: ۲۵۷ (تلخیص)

بدلنے اور تدریجی طور پر اس کو راہِ راست پر لانے کا وقت آ گیا ہے۔

اس وقت حضرت مجدد اور ان سب حضرات کے لئے جو علم دین اور کمالِ باطن سے آراستہ، خود مشغول اور سیر فی اللہ کی دولت سے مالا مال اور دینی حمیت و غیرت کے نشہ سے سرشار تھے، اس صورتِ حال کے سامنے جو اس وقت قلم و سلطنت پر سایہ فگن تھی، تین راستے تھے:

۱۔ سلطنت اور ملک کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لئے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب جہاں اطمینان کے ساتھ یادِ خدا میں مشغول، طالبین کی تربیت اور ذکر و عبادت کی یکسوئی اور سرگرمی میسر آ سکتی تھی....

۲۔ ہندوستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے فرمانروا کو اسلام کا مخالفت اور معاند سمجھ کر اس کی اصلاح سے یکسر یا یوس ہو جانا، اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لینا اور اسلام کا اس کو مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی اور اگر اس سے کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورتحال سے بیزار، معتقدین و مریدین و رفقاء کو مجتمع کرنا اور کسی فوجی و سیاسی کارروائی کے ذریعہ سلطنت میں انقلاب لانا اور تختِ سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو بٹھانے کی کوشش کرنا جو پوری سلطنت کا رخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی ہو جائے۔

۳۔ ارکانِ سلطنت و امراٹے دربار سے تعلقات پیدا کر کے اور جن سے پہلے تعلق ہے۔ اور وہ آپ کی ذات سے عقیدت اور آپ کے خلوص اور دل سوزی پر

پورا اہتمام اور کھتے ہیں، ان میں دینی بندہ اور عمیت انجنا کر اور ان کے دلوں کے مناسبتیں جو ایسا فی چنگاریاں دینی ہوتی ہیں ان کو فروزاں کر کے باو شاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرنا، اس کی رگ اسلامیت کو جو اپنے با ایمان اسلاف و اجداد سے اس کو ورثہ میں ملی ہے بتنبش میں لاتا، اس کو اسلام کی حمایت، مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنا مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا، سلطنت کو اہل سلطنت اور مناصب و مراتب کو اہل مناصب و مراتب کے حوالہ کرنا... (پہلے دو بندوں کا تجزیہ کرنے کے بعد کہ وہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ کے شایان شان اور مناصب موقعہ نہ تھے، مولف مذکور لکھتے ہیں)

اب مجدد صاحب کے سامنے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا اور وہ یہی کہ ان ارکان سلطنت سے رابطہ قائم کریں جو بہر حال مسلمان تھے، حضرت مجدد صاحب کو اپنی گہری واقفیت اور خداداد ذہانت سے معلوم تھا کہ دور اکبری کے مخالف اسلام منصوبہ میں وہ شریک نہیں تھے، وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے، لیکن مجبور تھے، ان میں متعدد اسلام کی محبت اور دین کی حمیت سے بھی خالی نہ تھے... ان میں حسب ذیل حضرات مختار تھے، نواب سید مرتضیٰ عرف شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) خان اعظم مرزا (م ۱۰۳۳ھ) خان جہاں لودھی (م ۱۰۲۰ھ) صدر جہاں پہاڑی (م ۱۰۲۴ھ)

مجدد صاحب نے انہیں امرائے کبار اور
 ہرچہ از دل خیزد بر دل لیزد | ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا، ان سے

مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحہ فرط اس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے۔
 حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل
 کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے لختہ ہائے مسکرتہ ہیں اور دسویں صدی میں
 ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ جو عظیم انقلاب رونما ہو، اس میں ان کا بنیادی حصہ
 اور سب سے بڑا دخل ہے۔

افسوس ہے کہ ان مکاتیب پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے ورنہ حکمت دعوت اور
 تدریجی ارتقاء کے کئی اہم گوشے سامنے آتے اور معلوم ہوتا کہ آپ نے کس طرح اپنے مکتوب
 الیہ اور مکتوب الیہ نے کس طرح بادشاہ کو پھر بادشاہ بننے کے کس طرح سلطنت کے رخ کو
 حمایت اسلام کے راستہ پر ڈالا اور پھلی حکومت کے اثرات کس طرح بتدریج مضمحل
 ہوئے اور ان کی جگہ اسلام دوستی اور اسلام شناسی نے لینا شروع کی۔

پاکستان اور شریعت کا نفاذ

جہاں تک پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور اجراء کا تعلق ہے۔ اس میں کسی
 بھی محب وطن اور مخلص قوم کو کلام نہیں۔ کیونکہ ہر پاکستانی جانتا ہے کہ یہ ایک نظریاتی
 مملکت ہے اور اس کے حصول کا واحد مقصد یہی تھا دوسرے یہ کہ اس کی قیمت میں ہم

۱۹۸۲ء
 لہ سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مجدد الف ثانی کا اصلاحی انقلاب، ۷ تا ۱۷ طبع مجلس معارف کریم پارک لاہور

کو لاکھوں مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو دینی پٹری ہے۔ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی اگر ہم نے یہاں اپنا وہ آئین حیات ہی نافذ نہ کیا جس کے لئے اتنے پاپڑ پیل کر اور اتنی بھاری قیمت ادا کر کے یہ خطہ زمین حاصل کیا گیا ہے تو ہم سے بڑھ کر زیاں کار کوئی نہ ہوگا۔ اسلامی دستور کے بجائے جمہوری لادینی دستور اور اسلامی قانون کی جگہ تعزیرات ہند اور ضابطہ دیوانی ہی جاری کرنا تھا تو آخر ہندوستان کیا براتھا کہ اتنے لڑائی جھگڑوں سے یہ پاکستان لیا جاتا اور اگر ہمارا مقصد اشتراکی پروگرام نافذ کرنا تھا تو یہ "کار خیر" بھی ہندوستان کی سوشلسٹ یا کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر انجام دیا جاسکتا تھا اس کے لیے بھی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خواہ مخواہ اتنی جانفشانی اور اتنی بڑی قیمت پر پاکستان حاصل کرنے کی حماقت کی جاتی۔

در اصل ہم من حیث القوم اپنے آپ کو خدا، خلق خدا اور تاریخ کے سامنے آئین اسلامی کے نفاذ کے لئے پابند کر چکے ہیں۔ ہمارے لئے اب اپنے قول سے پھرنا ممکن نہیں رہا ہے۔ لہذا ہمیں بہر حال ان ساری پیچیدگیوں کو حل کرنا ہی پڑے گا جو اس کام کی راہ میں حائل ہیں۔ جہاں تک اسلامی قانون کے نفاذ کی عملی مشکلات کا تعلق ہے ان سب کو دور کرنے کی تدبیریں کی جاسکتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اصلی اور بنیادی مشکل نہیں۔ اصل چیز مخلصانہ سعی اور مومنانہ جذبہ ہے۔

۵ دربرہ منزل لیلی کہ خطر ہاست بجاں

شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

برصغیر پاک و ہند پر انگریزوں کے تسلط کے بعد یہاں کے اکثر مغربی تعلیم یافتہ لوگ (الاماشاد اللہ) ذہناً بھی انگریزوں کے پیروکار بن کر رہ گئے کیونکہ

تبدیلی ذہن

الناس علی دین ملو کھو۔ لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ انگریز کی
طویل غلامی نے ہماری اکثریت کو ذہنًا بھی غلام بنا دیا اور یہ ہمیشہ سے مفتوح قوم کی عادت
چلی آئی ہے؛

ابن خلدون نے لکھا ہے؛

”مفتوح قومیں فاتح قوم کا تمدن بڑی خوشی سے قبول کر لیتی ہیں۔ اس کا
سبب یہ ہے کہ انسان فاتح قوم کے کمالات کا اعتقاد رکھتا ہے اور مفتوح
قوم نہ صرف جسمانی غلامی قبول کرتی ہے بلکہ ان کے ذہن بھی غلام بن جاتے
ہیں کیونکہ مفتوح کی نگاہ میں فاتح کی عظمت سما جاتی ہے یا وہ اس غلط فہمی
میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ فاتح میں کوئی غضب کا کمال ہے جس کی وجہ سے
وہ حکومت کا مالک بن بیٹھا وہ اس کی طرف کھینچے لگتا ہے اس کی ہر ادا کو
دل سے چاہنے لگتا ہے، اس کی ہر بات کا بصد شوق گرویدہ ہو جاتا ہے اور
اس کی مشابہت اختیار کرنے لگتا ہے“ ۱۰

یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کا ذہن آناً فاناً نہیں بن گیا تھا بلکہ یہ کیفیت ایک طویل
محکومی کے نتیجے میں آہستہ آہستہ فطرتاً پیدا ہوتی چلی گئی تھی۔ اور یہی چیز انگریز کا مقصود تھی
تاکہ ”نہ رہے بانس نہ بچے بالنسری؛

۵ بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو

باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

اب اس ذہن کو پھر سے واپس لانا اور اس میں تبدیلی اور ایک انقلاب پیدا کرنے

۱۰ عبد الرحمن بن خلدون؛ مقدمہ ابن خلدون (مترجم)؛ ۱: ۲۹؛ مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔

میں بھی کچھ وقت ضرور صرف ہوگا۔ بظاہر تو یہ تاخیر اسلامی قانون کے عدم نفاذ کا ایک بہانہ نظر آتی ہے مگر درحقیقت ”دیر آید درست آید“ کے مصداق ہوگا۔

مؤرخہ ۳ جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار کے روزنامہ ”جنگ“ لاہور میں ایک فاضل مضمون نگار نے ”اسلام کا نفاذ بتدریج ہونا چاہیے“ کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے قوم کے ذہنی طور پر تیار ہونے کے سلسلہ میں خوب لکھا ہے۔ صاحب مضمون جناب محمد سعید صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:

”اس میں چنداں شک نہیں ہے کہ اسلام ایک انقلابی نظام ہے اور پہلے سے مروجہ نظام کو مکمل طور پر مٹا کر خود کو پورے طور پر کسی ملت کے اندر نافذ کرتا ہے

اور اگر	اسلام	علاوہ	دوسرے	کی	مسطح	کی
کے	بھی کسی	نظام	بالادستی	کرنے		
<p>اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پاکستانی قوم صرف اسلامی نظام کی طلب گار ہے تو دیکھنا یہ ہو گا کہ قوم ذہنی و نظریاتی طور پر تیار ہے،</p>						

کوئی انقلابی مثال پیش کی جائے تو یہی فطرتی قدر مشترک سامنے آئے گی کہ اس نظام کی خاطر قوم میں سابقہ غلط نظام کے خلاف ہمہ گیر انقلاب پیدا کرنے والے راہنما ایک طویل عرصہ تک آئندہ نافذ کئے جانے والے انقلابی نظام کے لئے قوم کو من حیث القوم ذہنی و نظریاتی و عملی طور پر تیار کرتے ہیں۔ اس کٹھن اور جانگسل طویل نظریاتی تیاری کے عمل کے بغیر حقیقتاً کوئی قوم

اپنے اندر نہ تو انقلابی صلاحیتیں پیدا کر سکتی ہے اور نہ ہی کسی انقلابی دستور
 حیات سے کما حقہ انصاف کر سکتی ہے محض جذباتی و ہنگامی انگیزت پر اکٹھی
 کی جانے والی افرادی بھیڑ اس نظام کو عملاً نافذ نہیں کر سکتی جب تک کہ
 قوم کی بالعموم اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ملک گیر کوشش نہیں
 کی جاتی یہ کام نہیں ہوگا۔ یہی المیہ ہمارا سابقہ تحریک برائے نظام مصطفیٰ
 تھا یہی المیہ موجودہ حکمران ٹولے کا ہے اور آئندہ بھی کسی عدم تیاری والی
 کیفیت میں یہی المیہ ہمیں قومی سطح پر درپیش ہوگا۔

اگر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پاکستانی قوم صرف اسلامی نظام کی طلب گار
 ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا واقعی ہماری قوم ذہنی و نظریاتی طور پر اس
 نظام کے لئے تیار ہے.....؟ چند نمایاں مثالیں لے لیجیے.....! یہ امر
 غالباً سبھی کے لئے متفقہ طور پر قابل قبول ہوگا کہ جب ”قوم یا معاشرے“
 کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس میں ایک عام مزدور سے لے کر ملک
 کے سیاسی و مذہبی راہنما آجر و مزدور آقا و غلام امیر و غریب فوجی و غیر فوجی
 حکمران و رعایا سبھی افراد معاشرہ کی حیثیت سے اس قوم کے کل کے اجزاء
 ہوتے ہیں اور ایک نظام حکومت ان سبھی پر محیط ہوتا ہے بالخصوص قیادت
 کرنے والے لوگ قوم کے لئے آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں قوم سے پہلے
 قوم کے قائدین کو اپنی ذات و شخصیات کو مجوزہ نظام کے رنگ میں عملاً
 رنگنا ہوتا ہے اسلامی نظام فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کے بتان و ہم و گماں
 پر سب سے پہلے ضرب کاری لگاتا ہے اور ایک مرکز ایک امیر ایک حکم کو

بنیاد بنا کر اور تمام مسلمان قوم کی تعمیر "مسلم" کی شناخت سے کرتا اور ملت واحدہ کی تشکیل کرتا ہے بتائیے کیا ہماری مذہبی و سیاسی قیادت اس عظیم الشان مرحلے کے لئے نظریاتی اعتبار سے تیار ہے کہ قوم کو مذہبی فرقہ پرستی اور سیاسی انتشار سے بچا کر ایک قوم اور ایک سیاسی نصب العین دے سکیں۔۔۔۔۔ ۹ اسلامی نظام تکریم آدمیت کو اولاً اہمیت دیتے ہوئے فضیلت کا معیار تقولے مقرر کرتا ہے کیا قوم نظریاتی اعتبار سے اس قابل ہے کہ رنگ و نسل اور ذات برادری اور نسبی برتری کے گھمنڈ کے غیر اسلامی بت کو توڑ کر اپنے سے کم تر افراد کو عملاً سینے سے لگائے اور اس طرح معاشرتی تقسیم کی نام نہاد حدود کا تصور ہی اپنے عمل سے بدل کر رکھ دیں۔ اسلام دولت کے ارتکاز کو جرم قرار دیتے ہوئے سرمایہ داروں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بال میں سے محروم وسائل افراد معاشرہ کو ان کی نشوونما کے لئے مناسب دولت فراہم کرے اور اس کو وہ خیرات یا بھیک کی بجائے محروم لوگوں کا "حق" قرار دیتا ہے کیا آج ہمارا اہل ثروت طبقہ نظریاتی طور پر اس خدائی عمل کے لئے تیار ہے تاکہ اقتصادی اُپر نچ ختم ہو جائے اور مالک اور نوکر ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ سکیں۔۔۔۔۔ ۹

کوئی اس کے لئے تیار نہیں۔۔۔۔۔ کہ وہ حضرت عمرؓ کی طرح بھییں بدل کر شہروں میں رات کو گشت کیا کرے اور قوم کے مسائل کو خود معلوم کرے اور ان کا تدارک کرے نہیں بلکہ اناج کی بوری اپنی پیٹھ پر لاد کر ضرورت مند کے دروازے تک پہنچائے اور پھر احسان جتانے کی بجائے یہ کہے کہ قوم کے خادم کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے اور بیاہنگ

درہل اعلان کرے کہ اگر وجہ کے کنارے ایک کتابھی بھوک کی وجہ سے فر گیا
تو عمر سے اس کی باز پرس ہوگی اسلامی نظام حکم دیتا ہے کہ اسلامی عساکر مملکت
اسلامیہ کی فوج کا ایک سپہ سالار عام مجاہد کے ساتھ ایک چٹائی پر بیٹھ کر کھانا
کھائے۔ اسلامی نظام کے ”بیک جنڈیش قلم نفاذ“ کے بعد اس چیز کی کیا ضمانت ہے
کہ ہماری مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین اسلامی احکامات کے خلاف احتجاجاً
سڑکوں پر نہیں نکل آئیں گی اور دل کی گہرائیوں سے خود کو صرف ان حدود کا
پابند کر لیں گی جو اسلامی نظام ان کے دائرہ عمل کے لئے متعین کرے گا...؟
اسلامی نظام ہر تندرست مرد کو سپاہیانہ زندگی اختیار کرنے اور دین اسلام
کے تسلط و غلبہ کے لئے جنگ کا حکم دیتا ہے کیا ہماری آج کی تن آسان نوجوان نسل
بندوق اٹھا کر میدان کارزار کی طرف کوچ کرنے کا عزم رکھتی ہے...؟ اور
کیا ہماری مساجد کے ائمہ کرام پسند کریں گے کہ وہ بھی فوجی زندگی اختیار کر لیں اور
خود کو مسجد کے محراب میں اسی وقت قوم کی امانت کے اہل تصور کریں جب
وہ جنگی مورچے میں بھی قوم کی امانت و قیادت کے فرائض انجام دے رہے
ہوں...؟ اب فرمائیے محض اعلان کر کے اسلام نافذ کر دینے سے آپٹری
قوم کے فکر و عمل میں اتنی زبردست اور انقلابی تبدیلی پیدا کر لیں گے...؟
یقیناً نہیں قطعاً نہیں...؟ یہی وہ تلخ ترین حقائق ہیں جو اسلام کے تدریجی
نفاذ کے حق میں بجائے خود وزن کے حامل دلائل ہیں اور قیادت کو مجبور
کرتے رہیں گے کہ اسلام اس تدریجی انداز سے نافذ کیا جائے کہ جس سے
ساتھ ہی ساتھ قوم کی ذہنی تربیت بھی ہوتی رہے افراد مملکت میں نظریاتی

استحکام پیدا ہوا اور بالآخر ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ کم سے کم جبر و اکراہ سے کام لیا جائے اور قوم کا اکثریتی حصہ بطیب و رضا اس نظام کو دل کی گہرائیوں سے قبول کر لے اس کی عامل بن جائے اور پھر اس کے غلبے و فروغ کے لئے میدان عمل میں اس طرح اترے کہ ”یدخلون فی دین اللہ فواجبا“ کا قرن اول کا سماں پیدا ہو جائے۔ اب آج کے دور میں اسلامی نظام کے تدریجی نفاذ کے حق میں ہمیں اس دور کا بھی کچھ مطالعہ کرنا ہو گا جب سب سے پہلے ریگزار عرب میں اسلام ابیر رحمت بن کر آیا اور نہ صرف عربوں کو ہی نہال کر دیا بلکہ قبصرو کسریٰ کی قدیم تہذیبوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیا اور افریقہ کے تیرہ و تاریک براعظموں کو اسی کے نور سے روشن کر دیا جب راہنمائے انقلاب اسلامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر کے انسانیت کی اصلاح کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی بعد کے تیس برسوں میں ہی عربستان پر مشتمل ایک مثالی آئیڈیل اسلامی حکومت قائم ہوئی جو ہر دور میں ہمارے لئے قابل تقلید ثابت ہو سکتی ہے یہاں یہ عجز طلب نقطہ ہے کہ مکی زندگی کے تیرہ برسوں میں وہ نتائج پیدا نہیں ہوئے تھے جو بعد کے مدنی زندگی کے دس سالوں نے زبردست انداز میں پیدا کر دکھائے مکی زندگی کے تیرہ خاموش برس ہی عرب کے اندر اسلامی تحریک کی بنیاد تھے یہ صبر آزما اور کھٹن عرصہ تھا مگر بے حد اہمیت کا حامل انہی تیرہ برسوں میں قوم کے بہترین مشکل دو صد افراد بتدریج اسلامی انقلاب اور اسلامی نفاذ کے لئے نظریاتی اعتبار سے کھٹن طریقے سے تیار کئے گئے جو صحیح

معنوں میں اسلام کے شاہکار تھے اور جب تحریک اسلامی کا ہیڈ کوارٹر طرہ
 نامساعد حالات کی وجہ سے مکہ سے مدینہ منتقل ہوا تو ان دو صد افراد کے ساتھ
 مل کر آنحضرتؐ نے اولین اسلامی ریاست یعنی اسلامی معاشرہ تشکیل دیا اور جب
 ان نظریاتی اعتبار سے تربیت یافتہ افراد کے ہاتھوں ایسا آئین عملی طور پر
 ایک خط زمین میں نافذ ہوا۔ جس کو انہوں نے علی وجہ البصیرت دل و دماغ
 کی گہرائیوں سے قبول کیا تھا تو پھر اس کے شاندار نتائج جب محسوس حقیقت
 کے پیکر میں ٹہل کر لوگوں کے سامنے آئے اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے
 اس کے انقلابی ثمرات کو دیکھا تو وہ جوق در جوق لاکھوں کی تعداد میں اس کی
 آغوش میں پناہ لینے کو آگے بڑھے بالکل اس طرح انسانی فطرت و نفسیات کے
 عین مطابق قرآن بھی تھوڑا تھوڑا بتدریج نازل ہوتا رہا اور تیس برس کے طویل
 عرصہ میں اس آئین مملکت کے تیس ابواب اپنی تکمیل کو پہنچے ایک مشہور روایت
 ہے کہ جس عرصہ میں حضورؐ اپنے جانثار ساتھیوں کی نظریاتی تربیت میں مصروف
 تھے ایک دفعہ آپ صحابہؓ کو قرآنی تعلیمات ذہن نشین کر رہے تھے کہ اچانک
 عمر فاروقؓ وہاں آ پہنچے اور حضورؐ نے اس بنا پر خاموشی اختیار کر لی کہ حضرت عمرؓ
 کا ذہن ابھی ان حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جس مقام پر دوسرے
 صحابہؓ نظریاتی اعتبار سے پہنچ چکے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ بھی اسلام کے حلقے میں
 نو وارد تھے ایک ایک فرد معاشرہ کی نظریاتی تیاری کا یہ وہی تدریجی طریق
 نبویؐ ہے جو آج بھی اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں ہمارے لئے راہ عمل متعین
 کرتا ہے سابقہ قوانین کی موجودگی کے اس عبوری دور میں دراصل ہمارے

لئے وہ وقفہ ہے جس کے دوران ہم پوری قوم کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ذہنی و نظریاتی اعتبار سے تیار کر سکتے ہیں ایسے عرصے میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ افراد مملکت کے قلوب و اذہان کے اندر فکری انقلاب پیدا کیا جائے۔ اور انہیں اسلام کی مخالف قوتوں کو شکست دینے کے لئے تیار کیا جائے لیکن یہ سب کچھ ایک جست میں نہیں ہوگا اس کے لئے کئی سال درکار ہوں گے اور سخت محنت کرنا ہوگی۔“

”کسی نظام کے نفاذ کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک طریقہ منہاجِ نبوت انقلاب (REVOLUTION)

کا ہے اور دوسرا ارتقاء (EVOLUTION) کا ہے۔ اول الذکر طریقے میں تبدیلی فوری آتی ہے لیکن اس کے اثرات بھی عارضی اور سطحی ہوتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر طریقے یعنی ارتقائی طریقے میں تبدیلی آہستہ آہستہ آتی ہے لیکن اس کے اثرات پائیدار اور دور رس ہوتے ہیں کیونکہ کسی قوم کے باطن کا بدل جانا کھیل نہیں ہوتا۔ انقلابی طریقے میں غوں ریزی ہوتی ہے اور ارتقائی طریقہ پر امن تبدیلی کا طریقہ ہے۔ انقلاب میں عمل کے ساتھ شدید قسم کے رد عمل کا بھی امکان ہوتا ہے جبکہ ارتقائی طریقہ میں اس کا امکان کم ہے۔“

منہاجِ نبوت ارتقائی ہے انقلابی نہیں یہی وجہ ہے کہ یک بیک شراب حرام نہیں کر دی گئی بلکہ شراب کی حرمت تدریجی مراحل میں ہوئی اسی طرح سود کی حرمت میں بھی تدریج کا طرز اختیار کیا گیا۔ غلامی کو بھی تدریجاً ہی ختم کیا گیا۔ لہذا پاکستان

میں بھی اسلامی نظام کو تدریجاً ہی ناقد کرنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔^۱
 دوسرے سنت نبوی ہی انجام کے اعتبار سے بہتر اور باعث خیر و برکت ہے۔
 مسلم کے حوالہ سے مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک دفعہ عید کے موقع پر مروان بن
 الحکم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز عید سے قبل خطبہ کی طرف
 کھینچنے لگا۔ آپ اسے سنت نبوی کے مطابق پہلے نماز اور بعد میں خطبہ کا
 ارشاد فرماتے رہے۔ وہ کہنے لگا اب وہ چیز (طریقہ نبوی) متروک ہو گئی ہے تو

آپ نے فرمایا:

”والذی نفسی بیدہ لاتأتون بخیر مما أعلمت لث

مرارثہ انصرف“^۲

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم کبھی اس
 کام سے بہتر نہیں کر سکتے جس کو میں جانتا ہوں (یعنی سنت نبوی سے۔)
 تین مرتبہ کہہ کر واپس ہو گئے۔

بحمد اللہ پاکستان میں لوگوں کا
 ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو اب

تدریجی تفاقہ ہی قرین مصلحت ہے

بھی اسلام کو ایک زندہ جاوید اور قابل عمل نظام کے طور پر تسلیم کرتا ہے اور
 دل سے چاہتا ہے کہ اس ملک میں اسلامی شریعت اپنی تمام تر برکات کے

^۱ سید محمد متین ہاشمی: اسلامی نظام عدل کا نفاذ ۳۲ طبع دیال شکھ لائبریری لاہور

^۲ مشکوٰۃ المصابیح: ۱۲۷ مطبوعہ کراچی

ساتھ آئے۔ اس طبقے کو دین کے ساتھ دلی لگاؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ علیہ السلام والثناء کا نعرہ لگا کر اسے دعوت عمل دی وہ میدان میں اُتر آیا اور اپنے خون سے ایسی تاریخ لکھ دی جسے وقت و زمانے کا کوئی انقلاب کجلا سکتا ہے نہ مٹا سکتا ہے۔ اس طبقے کے خلوص پر ذرہ برابر شک نہیں کیا جاسکتا۔ شریعتِ اسلامیہ کے ساتھ والہانہ محبت ہی کا اثر ہے کہ یہ طبقہ چاہتا ہے کہ چشم زون میں اسلامی نظام انقلابی اقدامات کے ذریعے نافذ کر دیا جائے یہ بڑی مقدس آرزو اور مبارک خواہش ہے لیکن اس موقع پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ طریق کار پرخطر بھی ہے کیونکہ ایسے وقت میں جبکہ ٹرین ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہو اگر فوراً بربیک لگا دی جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ٹرین کھڑی ہو جائے اور اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ٹرین ہی الٹ جائے۔

من کل الوجوه فوری نفاذ اسلام سے جدید اور مغرب زدہ ذہنوں کا بدک جانا عین ممکن ہے لہذا بہتری اور مصلحت اسی چیز میں ہے کہ تدریجی عمل سے نفاذ کیا جائے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”عن انس ان رجلاً قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم
اوصنی فقال خذ الامر بالتدبیر فان رأیت
فی عاقبتہ خیراً فامضه وان خفت غیا قامسک

درواہ فی شرح السنۃ لہ

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا سر معاملہ میں خوب غور و فکر اور سوچ بچار سے کام لے۔ اگر تو اس کا انجام بہتر خیال کرے تو اسے کر گزرا اور اگر اس کا انجام غلط ہو تو اس سے رک جا۔

مجلد ”چراغِ راہ“ کراچی کے ”اسلامی قانون منبر“ جلد دوم میں ایک سوال نامہ ہے جو بعض علماء کو بھیجا گیا

تھا۔ اس سوال نامہ میں ایک سوال ہماری بحث سے متعلق ہے وہ سوال یہ تھا۔

”پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں؟“ اس سوال کا جواب ملک کے مختلف علماء اور مفکرین نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق مختلف لکھا ہے۔ ذیل میں ملک کے دو مشہور مفکرین اور علماء کی رائے پیش کی جاتی ہے۔

مفتی محمد شفیع - کراچی

قانون کی تدوین کے بعد تنفیذ کا کام ایک عملی کام رہ جاتا ہے جو صورت موجودہ حکومتوں میں ان کے اپنے بنائے ہوئے قانون کی تنفیذ کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ وہی اسلامی قانون کے لئے بھی ہو سکتی ہے البتہ موجودہ دور کا ضابطہ کاروائی اور تنفیذ

لہ مشکوٰۃ شریف: ۴۳۰ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی ۱۳۹۹ھ

قانون کے طریقے خود بھی نہایت ناقص اور طولانی ہیں جن میں تکلیف بھی زیادہ ہے، خرچ بھی اور حیل سازی کے راستے بھی۔ اس لیے ان کو بھی تدریجاً اس سادگی کی طرف لانا ہے جو اسلامی قانون کے خصائص میں سے ہے۔

”اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس

مولانا مودودی غلط فہمی کو دور کر دوں جو اسلامی قانون کے اجراء کے

متعلق کثرت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے۔ لوگ جب سنتے

ہیں کہ ہم یہاں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس حکومت میں

ملک کا قانون اسلامی قانون ہوگا تو انہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید نظام

حکومت کے تغیر کا اعلان ہوتے ہی تمام پچھلے قوانین یک لخت منسوخ ہو

جائیں گے اور اسلامی قانون بیک وقت نافذ کر دیا جائے گا۔ یہ غلط فہمی

صرف عام لوگوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اچھے خاصے مذہبی طبقے بھی

اس میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا ہونا چاہیے کہ ادھر اسلامی حکومت

قائم ہو اور ادھر فوراً ہی غیر اسلامی قوانین کا نفاذ بند اور اسلامی قانون کا

نفاذ شروع ہو جائے۔ درحقیقت یہ لوگ اس بات کو بالکل نہیں سمجھتے

کہ ایک ملک کا قانون اس کے اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام

کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ جب تک کسی ملک

کا نظام زندگی اپنے سارے شعبوں کے ساتھ نہ بدلے اس کے قانونی

نظام کا بدل جانا ممکن نہیں ہے۔ انہیں اس کا بھی اندازہ نہیں ہے کہ پچھلے سو ڈیڑھ سو برس سے ہم پر جو انگریزی اقتدار مسلط رہا ہے اس نے کس طرح ہماری زندگی کے پورے نظام کو اسلامی اصولوں سے ہٹا کر غیر اسلامی اصولوں پر چلا دیا ہے اور اب اسے پھر بدل کر دوسری بنیادوں پر قائم کرنا کتنی محنت، کتنی کوشش اور کتنا وقت چاہتا ہے۔ یہ لوگ عملی مسائل میں بصیرت نہیں رکھتے، اس لئے اجتماعی نظام کی بصیرت ایک کھیل سمجھتے ہیں اور تھیلی پر برسوں جمانے کا خواب دیکھتے ہیں۔ پھر ان کی یہی باتیں ان لوگوں کو جو اسلامی نظام سے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں یہ موقع دے دیتی ہیں کہ وہ اس تخیل کا مذاق اڑائیں اور اس کے حامیوں کا استخفاف کریں۔

اگر ہم فی الواقع اپنے اس تخیل کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں
تدریج کا اصول تو ہمیں فطرت کے اس اٹل قاعدے سے غافل نہ ہونا چاہیے

کہ اجتماعی زندگی میں جتنے تغیرات بھی ہوتے ہیں بتدریج ہی ہوا کرتے ہیں انقلاب جتنا اچانک اور جس قدر یک رُخا ہوگا اتنا ہی وہ ناپائیدار ہوگا۔ ایک مستحکم اور پائندہ انقلاب کے لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ وہ زندگی کی ہر جہت اور ہر پہلو میں پورے توازن کے ساتھ کار فرما ہوتا کہ اس کا ہر گوشہ دوسرے گوشہ کو سہارا دے سکے۔

اس کی بہترین مثال خود وہ انقلاب ہے جو نبی صلی اللہ
محمد نبوی کی مثال علیہ وسلم نے عرب میں برپا کیا تھا۔ جو شخص حضورؐ کے کانامے سے حقوڑی سی واقفیت بھی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ

آپ نے پورا اسلامی قانون اس کے سارے شعبوں کے ساتھ بیک وقت نافذ نہیں کر دیا تھا بلکہ معاشرے کو بتدریج اس کے لئے تیار کیا تھا اور اس تیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ سابق جاہلیت کے طریقوں اور قاعدوں کو بدل کر نئے اسلامی طریقے اور قاعدے جاری کئے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے اسلام کے بنیادی تصورات اور اخلاقی اصول لوگوں کے سامنے پیش کئے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے گئے انہیں آپ تربیت دے کر ایک ایسا مصلح گروہ تیار کرتے چلے گئے جس کا ذہن اور زاویہ نظر اور طرز عمل خالص اسلامی تھا۔ جب یہ کام ایک خاص حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے دوسرا قدم اٹھایا۔ اور وہ یہ تھا کہ مدینہ میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جو خالص اسلامی نظریہ پر مبنی تھی اور جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک کی زندگی کو اسلام کے نقشے پر ڈھال دے۔ اس طرح سیاسی طاقت اور ملکی ذرائع کو ہاتھ میں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیع پیمانے پر اصلاح و تعمیر کا وہ کام شروع کیا جس کے لئے آپ پہلے صرف دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے کوشش فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک مرتب اور منظم طریقے سے لوگوں کے اخلاق، معاشرت، تمدن اور معیشت کو بدلنے کی جدوجہد کی تعلیم کا ایک نیا نظام قائم کیا، جو اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے زیادہ تر زبانی تلقین کے طریقے پر تھا۔ جاہلیت کے خیالات کی جگہ اسلامی طرز فکر کی اشاعت کی۔ پرانی رسموں اور طور طریقوں کی جگہ نئے اصلاح یافتہ رواج اور آداب و اطوار جاری کئے اور

اس ہمہ گیر اصلاح کے ذریعے سے جوں جوں زندگی کے مختلف گوشوں میں انقلاب رونما ہوتا گیا، آپ اسی کے مطابق پورے توازن اور تناسب کے ساتھ اسلامی قانون کے احکام جاری کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ۹ سال کے اندر ایک طرف اسلامی زندگی کی تعمیر مکمل ہوئی اور دوسری طرف پورا اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو گیا۔

قرآن اور حدیث کے غائر مطالعے سے ہمیں واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے یہ کام کس ترتیب و تدریج کے ساتھ کیا تھا۔ وراثت کا قانون ۳۰ ہجری میں جاری کیا گیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین رفتہ رفتہ ۳۰ ہجری میں جا کر مکمل ہوئے۔ فوجداری قوانین کئی سال تک ایک ایک دفعہ کر کے نافذ کئے جاتے رہے یہاں تک کہ ۸۰ ہجری میں ان کی تکمیل ہوئی۔ شراب کی بندش کے لئے بتدریج فضاتیار کی گئی اور ۸۰ ہجری میں اس کا قطعی انسداد کر دیا گیا بلکہ ملک کے پورے معاشی نظام کو بدل کر جب نئے ساپچوں میں ڈھال لیا گیا تب کہیں ۹۰ ہجری میں سود کی قطعی حرمت کا قانون جاری کیا گیا۔ یہ کام بالکل ایک معمار کا سا کام تھا جس نے اپنے پیش نظر نقشے کی عمارت بنانے کے لیے کاریگر اور مزدور جمع کئے، ذرائع و وسائل مہیا کئے، زمین ہموار کی بنیادیں کھودیں، پھر ایک ایک اینٹ رکھ کر بہر جہت سے عمارت کو اٹھاتا ہوا اوپر تک لے گیا اور

چند سال کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار وہ عمارت مکمل کر دی جس کا خاکہ اس کے ذہن میں تھا۔

انگریزی دور کی مثال | قریب کے زمانہ میں خود ہمارے ملک پر جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی تو کیا انہوں

نے یک لخت یہاں کا سارا نظام بدل ڈالا تھا؟ نہیں۔ ان کی حکومت سے پہلے چھ سات سو برس سے یہاں کا پورا نظام زندگی اسلامی فقہ پر چل رہا تھا۔ اس صدیوں کی جمی ہوئی عمارت کو ڈھا دینا اور مغربی اصول و نظریات کے مطابق ایک دوسرے نظام کی عمارت کھڑی کر دینا ایک دن کا کام نہ تھا۔ تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اقتدار قائم ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک ہندوستان میں اسلامی فقہ ہی رائج رہی۔ عدالتوں میں قاضی ہی انصاف کے لئے بیٹھتے تھے اور اسلام کا قانون صرف پرسنل کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ ذہنی ہلکی قانون

بھی تھا۔ انگریزوں کو یہاں کا قانونی نظام بدلتے بدلتے ایک صدی لگ گئی۔ انہوں نے بتدریج یہاں کا نظام بدل کر اپنے مطلب کے آدمی ڈھالے، اپنے خیالات کی اشاعت سے ذہنیتیں بدلیں، اپنے اقتدار کے اثر سے لوگوں کے اخلاق بدلے، اپنی بالادستی کے زور سے معاشی نظام بدلا۔ اور پھر جیسے جیسے یہ مختلف قسم کے ہمہ گیر اثرات یہاں کی اجتماعی زندگی کو بدلتے گئے اسی کے مطابق نئے قوانین جاری ہوتے چلے گئے۔

تدریج ناگزیر ہے | اب اگر ہم یہاں پھر اسلامی قانون جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بھی انگریزی حکومت کے صد سالہ نقوش کو کھریچ دینا اور نئے نقوش ثبت کر دینا محض ایک جنبش قلم سے ممکن نہیں ہے۔ ہمارا پرانا نظام تعلیم زندگی اور اس کے عملی مسائل سے ایک مدت دراز تک بے تعلق رہنے کے باعث اس قدر بے جان ہو چکا ہے کہ اس کے فارغ التحصیل لوگوں میں ایک فی ہزار کے اوسط سے بھی ایسے آدمی نہیں نکل سکتے جو ایک جدید ترقی یافتہ ریاست کے جج اور مجسٹریٹ بنائے جاسکیں۔ دوسری طرف موجودہ نظام تعلیم نے جو آدمی تیار کئے ہیں وہ اس اور اس کے قوانین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان میں ایسے بھی خال خال ہی پائے جاتے ہیں جن کی ذہنیت ہی کم از کم اس تعلیم کے زہریلے اثرات محفوظ رہ گئی ہو۔ پھر سوڈیٹھ سو برس تک معطل رہنے کی وجہ سے ہمارا قانونی ذخیرہ بھی زمانے کی رفتار سے اچھا خاصا پیچھے رہ گیا ہے اور اسے موجودہ دور کی عدالتی ضروریات کے لئے کارآمد بنانا کافی محنت چاہتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طویل مدت تک اسلامی اثر سے آزاد اور انگریزی حکومت کے تابع رہتے رہتے ہمارے اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست کا نقشہ اصل اسلامی نقشے سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ اس حالت میں ملک کے قانونی نظام کو یک لخت بدل دینا۔ اگر ایسا کرنا ممکن بھی ہو۔ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس صورت میں زندگی کا نظام اور قانونی نظام دونوں ایک دوسرے سے بیگانہ بلکہ باہم متضاد مہونگے۔ اور ایسے قانونی تغیر کا وہی حشر

ہوگا جو ایک پودے کو ایسی آب ہوا اور ایسی زمین میں لگا دینے سے ہوا کرتا ہے جو اس کے مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتی ہو۔ لہذا یہ بالکل ناگزیر ہے کہ جس اصلاح و تغیر کے ہم طالب ہیں وہ تدریج کے ساتھ ہو اور قانونی تبدیلیاں اخلاق، تعلیم، معاشرت، تمدن، معیشت اور سیاست کی تبدیلیوں کے ساتھ متوازن طریقہ سے کی جائیں۔

لیکن تدریج کے اس معقول اور بجائے خود بالکل صحیح اصول کو بہانہ بنا کر جو لوگ اس بات کے حق میں استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں

کہ میری دست تو یہاں ایک غیر دینی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک بے دین ہے۔ ریاست ہی قائم ہونی چاہیے۔ پھر جب اسلامی ماحول تیار ہو جائیگا تو وہ اسلامی ریاست بھی قائم ہو جائے گی جو اسلامی قانون جاری کر سکے، وہ سراسر ایک نامعقول بات کہتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ ماحول تیار کون کریگا؟ ایک بے دین ریاست جس کی باگیں فرنگیت زدہ حکام اور لیڈروں کے ہاتھ میں ہوں؟ کیا وہ معمار جو صرف مے خانہ و جیم خانہ ہی کی تعمیر جانتے اور اسی سے دلچسپی بھی رکھتے ہیں ایک مسجد تعمیر کرنے کا سامان کریں گے؟ اگر ان لوگوں کا یہی مطلب ہے تو انسانی تاریخ میں یہ پہلا اور بالکل نرالا تجربہ ہوگا کہ بے دینی خود دین کو پروان چڑھا کر اپنی جگہ لینے کے لئے تیار کرے گی! اور اگر ان کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ ذرا اس کی صاف صاف توضیح فرمائیں کہ اسلامی اصول کی تیاری کا کام کون، کس طاقت اور کن ذرائع سے کرے گا اور اس دوران میں دین ریاست اپنے ذرائع اور اقتدار کو کس چیز کی تعمیر و ترقی میں صرف کرتی رہے گی۔

ابھی ابھی تدریج کا اصول ثابت کرنے کے لئے جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں انہیں اگر آپ ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن میں تازہ کر لیں تو آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر ہو یا غیر اسلامی نظام زندگی کی۔ اگرچہ وہ ہوتی تو تدریج ہی ہے۔ لیکن تدریجاً اس کی تعمیر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ ایک معمار طاقت اپنے سامنے ایک مقصد اور ایک نقشہ رکھ کر مسلسل اس کے لئے کام کرے۔ صدر اول میں جو اسلامی انقلاب ہوا تھا اسی طرح ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس کے لئے موزوں آدمی تیار کئے، تعلیم و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے خیالات بدلے، حکومت کے پورے نظم و نسق کو معاشرے کی اصلاح اور ایک نئے تمدن کی تخلیق کے لئے استعمال کیا اور اس طرح وہ ماحول بنا جس میں اسلامی قانون جاری ہو سکا۔ ماضی قریب میں انگریزوں نے ہندوستان کے نظام زندگی میں جو تغیرات کئے وہ بھی تو اسی طرح ہوئے کہ، زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو اس تغیر کے خواہش مند تھے اور اس کے لئے کام کرنا جانتے تھے انہوں نے ایک مقصد اور ایک نقشہ کو نگاہ میں رکھ کر پیہم اس تغیر کے لئے کوشش کی اور آخر کار یہاں کے پورے نظام زندگی کو اس سانچے میں ڈھال کر ہی چھوڑا جو ان کے اصول و قوانین سے مناسبت رکھتا تھا۔ پھر کیا اب ہماری پیش نظر تعمیر اس معمار طاقت کے بغیر ہو جائے گی، یا ایسے معماروں کے ہاتھوں ہو سکے گی جو اس نقشے پر تعمیر کا کام نہ

جانتے ہوں اور نہ چاہتے ہوں لے

من و عن یہی عبارت مولانا موصوف کے ایک علیحدہ مستقل پمفلٹ ”اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر“ میں بھی ملتی ہے لے

ایک اشکال اور اس کا جواب

فی الوقت شریعت اسلامیہ کے تدریجی نفاذ کے سلسلہ میں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے وہ یہ کہ دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں احکامِ شرع کا تدریجاً نزول اور نفاذ تو ٹھیک ہے کیونکہ اس وقت نئے سرے سے اسلام نازل ہو رہا تھا اور ایک غیر مسلم معاشرہ تھا تو مسلمانوں کو اسلام میں پختہ کرنے کے لئے یہ چیز ضروری تھی اب جبکہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور ہمارا معاشرہ بھی اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے تو پھر تدریجی نفاذ کا کیا معنی؟

بندہ کے نزدیک قرآن اور دیگر احکامِ شرع کا تدریجاً نازل ہونا نزولِ اولیٰ یا معاشرہ کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بندوں کی آسانی، سہولت، منفعت، عدم مضرّت اور عدم مضرت مقصود ہے۔

۵۔ چراغِ راہ اسلامی قانون نمبر جلد دوم صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۷۔

۶۔ مولانا مودودی: اسلامی قانون: ۳۲ تا ۳۷ مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی ایچہرہ لاہور۔

۵ یارب تو کریمی ورسول تو کریم

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

سورۃ بقرہ میں احکام صیام کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ: ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری۔

بظاہر یہ آیت کریمہ روزوں کے سلسلہ کی ایک خاص کڑی ہے مگر درحقیقت

اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

الوجه عموم اللفظ في جميع أمور الدين له

ترجمہ: تمام امور دینیہ میں ان الفاظ کا اعتبار ہے۔

ابوبکر جصاص نے مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے:

”هذه الآية اصل في ان كل ما يضر بالانسان ويجهد

و يجلب له مرضا ويزيد في مرضه انه غير مكلف

به لان ذلك خلاف اليسر و يدل على ان

سائر الفروض والنوافل انما امر بفعلها او ايح

له على شريطة تفي العسر والمشقة الشديدة“

ترجمہ: یہ آیت کریمہ اس بات میں اصل ہے کہ ہر وہ حکم جو باعث مضرت ہو یا باعث

تکلیف ہو یا جس سے مرض ہونے یا مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو انسان اس

۱۔ ابو عبد اللہ القرطبی: الجامع الاحکام القرآن: ۲: ۳۰۱ مطبوعہ مصر ۱۳۸۷ھ — ۱۹۶۷ء

۲۔ ابوبکر جصاص: احکام القرآن: ۱: ۲۲۳۔

کا مکلف نہیں ہے کیونکہ وہ آسانی کے خلاف ہے (جو شریعت کی روح ہے) یہ آیت اس چیز پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جملہ فرائض و نوافل جن کا حکم دیا گیا ہے یا جو مباح کئے گئے ہیں ان میں یہ شرط ہے کہ تنگی اور سخت قسم کی مشقت نہ ہو۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ - (الحج: ۷۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

يسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا له

ترجمہ: آسانی پیدا کرو اور دشواری نہ پیدا کرو، خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔

ایک حدیث میں ہے:

الدين يسر واحب الدين عند الله الحنيفية السمحة له

ترجمہ: دین آسان ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ دین

وہ ہے جو سیدھا اور آسان ہو۔

ہمارے ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم لوگ (إلا ما شاء الله) دین اسلام سے

۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری: الجامع الصحیح: ۱: ۱۶ طبع دہلی۔

۲۔ بخاری بمعنی: ۱: ۲۳۲: ۲۳۵

کوسوں دور چاچکے ہیں۔ ہمارا اسلام برائے نام اور صرف عبادات کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ہماری روزمرہ زندگی کے دیگر معمولات، لین دین، تہذیب و تمدن، وضع قطع، بود و باش اور دیگر متعدد رسوم و رواج بڑی حد تک خلاف اسلام ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ چیزیں ہماری رگ و پے میں سرایت کر چکی ہیں اور ہمارے اذہان و قلوب میں رچ بس گئی ہیں۔

ان تمام منہیات پر فوراً پابندی لگا کر خلافت راشدہ جیسا نظام اور معاشرہ قائم کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ایسا کرنے میں عوام المسلمین کے لئے آسانی نہیں بلکہ تکلیف اور حرج پیدا کرتا ہے۔ لہذا صحیح اور قرین مصلحت طریقہ یہی ہے کہ تقاضا شریعت اور ذہنی انقلاب کے عمل کو بیک وقت اور ساتھ ساتھ چلایا جائے۔ تمام ذرائع ابلاغ کو خیر کی تبلیغ و اشاعت اور شر سے نفرت پیدا کرنے پر لگا دیا جائے۔ نظام تعلیم کو خاص اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے ان اساتذہ کرام کی ہمت افزائی کی جائے جو اسلامی ذہن رکھتے ہیں اور ان کی اصلاح کی جائے جو غیر اسلامی اور غیر ملکی نظریات کے پرستار ہیں اور اگر وہ اسلامی نظریات کو قبول نہ کریں تو انہیں فی الفور تعلیمی اداروں سے الگ کر دیا جائے۔ فرقہ واریت، علاقائیت اور صوبائی تعصبات کے پرچار پر پابندی لگائی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ذرا تیزی سے تدریجاً شریعت کو نافذ کیا جائے۔ تو انشاء اللہ یہ مهم سر ہو جائے گی پاکستانی قوم کے لئے یہ موقع بڑا غنیمت بھی ہے اور بہت کٹھن بھی اس لئے حالات کی تمام تر نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اقدامات کرنے چاہئیں تاہم بالیوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ ملک کی اکثریت چاہے اسلامی احکام پر اتنی عامل نہ ہو

لیکن اسلام سے محبت رکھتی ہے۔

..... ایک اہم نکتہ

مان لیا کہ اب اسلام کا تدریجی نفاذ شرعاً جائز نہیں بلکہ فوری نفاذ ہونا چاہیے مگر سیاسی اور معاشرتی صورت حال کچھ اس قسم کی بن رہی ہے کہ تدریجی نفاذ ہو یا سرے سے ہی نفاذ اسلام سے انکار ہو۔ ہمارے سیاسی افریقہ پر ایک وقت وہ بھی تھا جب اسلام کی بجائے سوشلزم کا نعرہ لگایا جا رہا تھا۔ موجودہ حکومت بدیہی سہی کم از کم نفاذ اسلام کا تہیہ تو کئے ہوئے ہے۔ دریں صورت ایک طرف تو تدریج نفاذ ہے اور دوسری طرف نفاذ اسلام کی بالکل نفی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا سرے سے ناقد ہی نہ ہونا زیادہ برا ہے نسبت تدریجی نفاذ کے۔ جب کوئی معاملہ اس نوعیت کا ہو تو اس میں سنت یہ ہے:

اذا ابتلی ببلتین اختار اھونہ

ترجمہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مصیبتوں سے پالا پڑتا تو ہلکی مصیبت کو اختیار فرماتے۔

اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ قاعدہ وضع کیا کہ جب دو برائیاں متقابلے میں آجائیں تو یختار اھون الشریین لہ یعنی کم درجے کی برائی اختیار کی جائے گی۔

مجہ میں ایک اور مقام پر ہے:

اذ اتعاضت مفسدتان روعی اعظمهما ضرر ایاز تکاب

اخفهما والضرر الاشدینزال بالضرر الاخف لہ

ترجمہ: جب دونوں نقصان سامنے آجائیں تو ان میں سے ہلکے نقصان کو اختیار کیا جائے گا اور ہلکا نقصان برداشت کر کے بھاری نقصان کو رفع کیا جائیگا۔

معاشرتی باتیں
ہدایت کی پالیسی "امالہ" کی ہے "ازالہ" کی نہیں | احوال و ظروف کی

کی رہنمائی میں ہدایت الہی کی پالیسی "ازالہ" کی کبھی نہیں رہی بلکہ ہمیشہ وہ "امالہ" ہی کی حکمت پر کاربند رہی ہے، یعنی تاریخ کے کسی دور میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ہدایت نے معاشرہ کے مروجہ احکام و مراسم یا مرغیات و مالوفات کے بارے میں شمشیر بے نیام ہو کر فیصلہ کیا ہو کہ جو بات مروج دیکھی اس کو ختم کر دیا اور جو چیز لوگوں کی پسندیدہ ہوئی اس سے روک دیا بلکہ ہمیشہ اس نئے لوگوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کے پیش نظر اپنے لیے جو جامہ تیار کیا، اس میں تقریباً وہی سب سامان لگایا جو مروج اور معاشرہ میں موجود تھا پہلے اس نئے روح پھونکی اور نقشہ میں اتارا پھر اپنے سانچے میں ڈھال کر قبول کر لیا

مولانا شبلی نے حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے:

"جہاں تک ہم کو معلوم ہے عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے کسی اور صوبے کی

کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کافذات پہلے سے تیار تھے ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ یہاں تک کہ

دفتر کی زبان تک نہیں بدلی۔ یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں اور مصر کا قبلی میں تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس قدر قدیم سے پارسی یونانی اور قبلی ملازم تھے بدستور بحال رہے تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں جہاں کچھ غلطی دیکھی اس کی اصلاح کر دی۔^۱

حضرت عمر فاروق اگرچہ ”اشدّاء علی الکفار“ کا منظر اتم تھے تاہم ”الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدھا فهو احق بہا“ یعنی دانائی و حکمت مؤمن کی گمشدگی متاع ہے وہ جہاں بھی ہو مؤمن اس کا زیادہ حقدار ہے۔ پر ہمیشہ کار بند رہے۔ کسی قانون کو محض اس لئے نہیں رد فرمادیا کہ وہ غیر مسلموں کا ہے۔ بلکہ ہمیشہ اس سے استمتاع کیا ہے۔ مولانا شبلیؒ نے ایک اور مقام پر لکھا ہے:

”حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں ان کو اختیار کرتے تھے۔ خراج، عشورہ و دفتر، رسد اور کاغذات حساب ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا، البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔ عراق کے بند و بست کا جب

۱ مولانا شبلی نعمانی: الفاروق: ۲: ۲۸۲، ۲۸۳ مطبوعہ شیخ غلام علی ۱۹۷۲ء

ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن عفیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو
 بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم
 ان کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین
 عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیرہ حالانکہ بظاہر
 مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اس کی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو
 نو شیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر
 طبری نے جہاں نو شیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیرے کا ذکر
 کیا ہے وہاں لکھا ہے:

«وهی الموضائع التي اقتدى بها عمر بن الخطاب

حين افتتح بلاد الفرس»

ترجمہ: یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا ملک فتح کیا تو
 ان کی اقتداء کی۔

ان تصریحات سے مقصود یہ ہے کہ ہماری موجودہ صورت حال کچھ اس
 قسم کی ہے کہ تمام سابقہ قوانین کو یکسر ختم کر کے نئے اسلامی قوانین کو نافذ کرنا
 کچھ مفید نہیں رہے گا۔ لہذا بہتر وہی ہدایت کی پالیسی رہے گی یعنی "امالہ"
 نہ کہ "ازالہ"

العیاذ باللہ مندرجہ تمام معروضات کا مطلب
 ایک ضروری وضاحت یہ بھی نہیں کہ تدریج کو ایک بہانہ بنا کر تفاقہ

اسلام کے وعدہ کو لٹکائے رکھا جائے۔

ایک بچہ تدریجاً پھلتا پھولتا اور بڑھتا ہے۔ مگر اس کا پھلنا پھولنا اور بڑھنا کم از کم نظر تو آتا ہے۔ اسی طرح اسلام کا نفاذ تدریجاً سہی اور یہی قرین مصلحت ہے مگر یہ تدریج کم از کم نظر تو آنی چاہیے۔ یہ نقطہ نگاہ بھی کچھ صحیح نہیں کہ افرادِ قوم اسلامی نظام کو قبول کرنے کے لئے پہلے ذہنی طور پر تیار اور صالح بن لیں اس کے بعد نفاذِ شریعت ہو۔ طریقہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق نفاذِ شریعت و تربیت فکر و اخلاق ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں جوں جوں شریعت و ہدایت کا نور اور روشنی آتی جائے گی توں توں ذہنی و اخلاقی ظلمت اور تاریکی چھٹتی جائے گی۔

یہ حال اگر حکومت اور عوام شانہ بشانہ مل کر نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں مخلصانہ جدوجہد کا بیڑا اٹھائیں تو یہ تدریجی مراحل زیادہ دیر تک ہر شعبہ زندگی میں مکمل نفاذِ شریعت کے راستے میں حائل نہیں رہیں گے۔ جب یہ مقدس قافلہ اپنے پاکیزہ اور مبارک کوشش کی طرف خلوص دل اور مصمم ارادے سے رواں دواں ہوگا تو انشاء اللہ الرحمن راستے کی تمام مشکلات اور رکاوٹیں خس و خاشاک کی مانند ہٹتی چلی جائیں گی۔ اور ہر مقام میں رحمت خداوندی اور ہدایت الہی شامل حال ہوگی۔

والذین جاہدوا قینا لنمہدینہم سبلنا وان اللہ لمح المحسنین۔

(النکبوت: ۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ خلوص والوں کے ساتھ ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

پندرہ روزہ ہفت روزہ "میں" کے لیے

فقارِ شریفین



حافظ محمد سعید
ریچ اسٹ

مرکز تحقیق و تالیف اسلام آباد
پتہ: ۱۰۰۰ اسلام آباد